ماهنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

DEC. 86 JAN. 87

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

جلد ۱ شمارہ ۶، ۷

دسمبر ۱۹۸۶ء و جنوری ۱۹۸۷ء

مدیر منتظم نور محمد فلاحی

مدیر طارق فارقلیط فلاحی

○ مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ ○

قیمت فی شمارہ	۳ روپیے
سالانہ تعاون	۳۰ روپے
خصوصی تعاون	۱۰۰ روپیے
اس شمارہ کی قیمت	۵ روپیے
غیر ممالک سے	۱۵ امریکی ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر مجلہ حیات نو، بلریاگنج اعظم گڈھ یوپی

شاہد آفسیٹ پریس شارہ — ۲۷۶۱/۲۸ — کتبہ عبدالرحیم اعظمی

نقوش حیات نو

اداریہ			
	یکساں سول کوڈ	ایڈیٹر	۳
بحث و نظر			
	حروف مقطعات ایک علمی بحث	محمد رضی الاسلام ندوی	۸
	تعلیم کے سلسلے میں بنیادی نقطۂ نظر	مولانا غلام یحییٰ انجم	۱۸
مقالات			
	نصب العین	اسرار احمد دہلی	۲۵
	اسلام میں اتباع رسول کا مقام	خالد حامدی فلاحی	۵۴
	عالم اسلام کے مسائل اور ترجیحات	ڈاکٹر نجم الدین اربکان	۳۶
	ملی وحدت اور اجتماعیت اور وہ کیونکر ممکن ہے	مجاہد الاسلام مجاہد	۴۶
	طب اسلامی	عبد الہادی فلاحی	۹۱
سیرت رسول			
	سرور عالم	مولانا مودودی	۶۷
سیرت صحابہ			
	حضرت سعید بن عامر جمحی رض	ابو جاوید استاد جامعہ	۷۰
گوشۂ ادب			
	۔ رس حالی	ڈاکٹر صالحہ عابد حسین، ڈاکٹر جہاں آرا فلاحی	۷۷
احوال واقعی			
	سازشوں کے جال	دعوت دہلی	۴۲
میدان جہاد سے			
	جب ہم سکے بم پودوں کے ہاتھی بن گئے	رفیق افغان	۶۹
شعر و نغمہ			
	حضرت عمر فاروق رض	ابو سلمیٰ عارف فلاحی	۳۵
	ایک صحابی رض	ثاقب عباسی	۲۴
	غزلیں	دانش بہرائچی، ثاقب عباسی	۵۳
	غزل	عبد الظاہر علی	۵۲
حلقۂ یاراں			۱۰۱
جامعہ کے لیل و نہار		ادارہ	۱۰۳

اداریہ

یکساں سول کوڈ

ڈاکٹر رادھا کرشنن نے ہندو دھرم کے مزاج کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔

It is a rational synthesis which goes on gathering into itself new conceptions as phylosophy progresses. It is experimental and pro-visional in nature.

"ہندو مذہب عقل کو اپیل کرنے والا ایسا مذہب ہے جو اپنے اندر نئے نئے تصورات کا اضافہ کرتا چلا جاتا ہے جیسے جیسے فلسفہ ترقی کرتا جاتا ہے۔ یہ اپنی فطرت کے اعتبار سے تجرباتی اور زمانہ کے ساتھ تعلق رکھنے والا ہے؟"

اس کی مزید وضاحت ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

Inevitably it has to be the confluence of many races, many cultures and many beliefs. Hinduism is a federation of many faiths. It was evolved by weavings together the beliefs of many social and cultural strains.

(Illustrated weekly 15/6/1980)

"درحقیقت ہندو مذہب بہت سی قوموں، بہت سی تہذیبوں اور بہت سے ایمانیات کا مجموعہ ہے۔ ہندو ازم بہت سے ایمانیات کا وفاق ہے۔ سماجی اور تہذیبی دھاروں کے باہمی اتصال سے اس کی تشکیل ہوئی ہے۔"

(بحوالہ اسلام پرسنل لا پر اعتراضات کی حقیقت ص ۸۰)

تاریخ بھی ہمیں یہی بتاتی ہے۔ ہندو دھرم صرف برہمنوں کا دھرم تھا یا زیادہ سے زیادہ اونچی ذات کے ہندو اس سے استفادہ کر سکتے تھے۔ شودروں اور نیچی ذات کے لئے اس سے استفادہ ممکن نہ تھا بلکہ اگر کسی شودر کے کان میں وید کے الفاظ پڑ جاتے تو اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا تھا۔ مگر آج یہ حالت بدل چکی ہے۔ ہندو دھرم کو وسعت دیدی گئی ہے اور صرف مسلمانوں اور عیسائیوں کو چھوڑ کر ہندوستان میں رہنے والے تمام باشندوں کا دھرم بنا دیا گیا ہے۔ ممکن ہے کبھی وید آسمانی کتاب رہی ہو اور مرور ایام کے بعد اس کے ماننے والوں نے یا اس زمانے کی احبار و رہبان اور علماء نے اپنے حسب منشا اس میں تبدیلی کی ہو تاہم تاریخ کی کڑیاں ہمیں بتاتی ہیں کہ آریوں اور پھر برہمنوں نے اس کو از سر نو ترتیب دیا اور اس کو اپنے مفاد کے حصول کا ذریعہ بنایا، یہ خود مذہب کے ٹھیکیدار بن گئے اور اپنے علاوہ تمام دوسری قوموں کو مختلف ذاتوں میں تقسیم کر دیا اور اس طرح اپنی پوزیشن مضبوط کر لی۔ آج مذہبی سیادت اور سیاسی قیادت دونوں ان کے ہاتھوں میں ہے اور دونوں کا تقاضا ہے کہ حالات و زمانہ کے لحاظ سے اس میں وسعت ہوتی رہے اور یہی کچھ ہو رہا ہے۔

ہندو دھرم میں اصلاح تبدیلی اور وسعت اس کا ایک اصول بن چکا ہے، بدھ مت، سکھ مت، اور جین مت اپنی شناخت اب تقریباً کھو چکے ہیں اور کلی طور سے ہندو دھرم میں مدغم ہو گئے ہیں تاہم عیسائیت اور اسلام ان کی نظر میں برابر کھٹکتے رہے ہیں، عیسائیت اور عیسائی اپنی موجودہ شکل میں ہندو دھرم کے لئے کوئی چیلنج نہیں ہیں بلکہ بڑی حد تک ہندوستان میں دونوں ایک دوسرے سے قریب ہیں مگر اسلام اور مسلمان مرور ایام کے باوجود آج بھی اپنے عقائد، اصول، رہن سہن، تہذیب و تمدن ہر لحاظ سے ہندو دھرم سے نہ صرف برتر ہیں بلکہ ہندو دھرم پر بڑے گہرے اور نمایاں اثرات ڈالے ہیں، اسلامی عقائد، اصول، ضابطے اور طریقے، صاف واضح اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں، دنیا میں بسنے والے تمام انسانوں اور قوموں کے لئے ہے، اور سب سے اس کا برتاؤ مساوات اور برابری کا ہے، اس کے برخلاف جتنے مذاہب خصوصاً ہندو مذہب پائے جاتے ہیں اس میں انسانی خواہشات نفسانیات کا دخل ہے اور وہ کسی فرد، گروہ قبیلے کی برتری کا مظہر ہیں یہی وجہ ہے کہ جن کے اندر بھی فطرت سلیم باقی ہے وہ اسلامی تعلیمات کی طرف کھنچے آتے ہیں اور اسلام کے دامن رحمت میں پناہ لیتے ہیں، اور کسی بھی انسان کے لئے اس

بہتر اور مناسب طرز عمل اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ کھلے دل و دماغ کے ساتھ دنیا کے مختلف مذاہب کا جائزہ لے اور جو مذہب بھی فطرت انسانی سے قریب نظر آئے اس کو اختیار کرے۔ مگر ہندوستان میں یہ بات ایک بہت بڑے طبقے کو گوارا نہیں ہے۔ وہ ہندو مذہب کے علاوہ کسی مذہب کو یہ حق دینا نہیں چاہتا کہ لوگ اس کو اختیار کریں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ وہ کھلے عام مسلمانوں سے یہ مطالبہ تو نہیں کر سکتے کہ وہ ہندو ہو جائیں لیکن اس کو ہندو دھرم میں داخل کرنے اور اسلام سے دور کرنے کے لئے مختلف طریقے اپنائے گئے اور اپنائے جا رہے ہیں۔

اسلام کی سیدھی سچی دل نشین تعلیمات پر کیچڑ اچھالنا، پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی ذات کو برا بھلا کہنا، قرآن پر پابندی ڈالنے کی کوشش کرنا، بہت سی مسجدوں میں نماز ممنوع قرار دینا، بہت سی مسجدوں کو توڑنا اور مندر میں تبدیل کر دینا، مختلف شعائر اسلام پر عمل سے روک دینا، تاریخی حقائق کو جھٹلانا اس کی غلط تاریخ پیش کرنا، اسکولوں، کالجز اور یونیورسٹیوں میں ایسا نصاب تعلیم رائج کرنا جس میں اسلام کی توہین کی گئی ہو اور ہندو کلچر کو نمایاں مقام دیا گیا ہو، معاشی اور سیاسی میدان میں مسلمانوں کو پیچھے ڈھکیل دینا ان کو ان کے جائز حقوق سے بھی محروم کر دینا، فسادات کے ذریعہ ان کو لوٹنا، مارنا اور قتل کرنا، ان کی جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیلنا، زندہ جلانا، اور خوفزدہ کرنا، عدالتوں میں حصول انصاف سے محروم کرنا، ایک منصوبہ بند طریقے سے پرسنل لا کو موضوع بحث بنانا اور اس کے خلاف فیصلے کرنا "ہندوستان میں رہنا ہے تو وندے ماترم کہنا ہے" کا نعرہ لگانا اور مسلمانوں کے خلاف پوری آبادی میں نفرتوں کے بیج بونا اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں نیز سدھی تحریک، وحدت ادیان کا نظریہ، دستوری بنیادی حقوق کے ساتھ رہنما اصول کی دفعہ ۴۴، دستوری، سیاسی اور پارلیمانی کوششیں ہیں اور اب یکساں سول کوڈ۔

یکساں سول کوڈ کے متعلق راجیو گاندھی اور وزیر قانون مسٹر اشوک سین کی یہ یقین دہانی کہ وہ اختیاری ہوگا لازمی نہیں، اسے کوئی دھوکا نہ کھائے کیونکہ ۲۰؍۲۱ اکتوبر کو دہلی میں بار کونسل آف انڈیا کی طرف سے جو مذاکرہ ہوا اور جس میں کھل کر اس بات پر بحث ہوئی کہ اس کو کیا ہونا چاہئے، اختیاری؟ یا لازمی؟ اختیاری ہو تو کتنے سالوں تک اور لازمی ہو تو کن کن کے لئے؟ مذاکرہ میں حصہ لینے والوں کی اکثریت کا خیال تھا کہ لازمی ہونا چاہئے، اور تمام فرقوں کے لئے ہونا چاہئے مگر کچھ کا کہنا تھا کہ

چند سرمایہ داروں کی ملکیت ہوتی جا رہی ہے اس کے بعد نافذ کی جانا چاہئے۔ اور جیسا کہ مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ کر جا رہا ہے اس بحث سے، اس رخ کا اندازہ ہوتا ہے کہ اختیاری یکساں سول کوڈ جس کا مسودہ پارلیمنٹ کے سرمائی سیشن میں غالباً پیش کر دیا جائے، درحقیقت اختیاری نہیں ہوگا کیونکہ اختیاری ہونے کی صورت میں اس سے وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا جو حکمراں طبقہ اور اکثریتی گروپ حاصل کرنا چاہتا ہے یعنی قومی یکجہتی اور قومی دھارے کا حصول۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا لازمی یکساں سول کوڈ بن جانے کے بعد یہ حاصل ہو جائے گی؟ میرے خیال میں جو بھی ایسا سوچتا ہے وہ احمقوں کی دنیا میں رہتا ہے تاہم اگر لازمی یکساں سول کوڈ بن گیا تو ہندی مسلم ملت کا رول کیا ہوگا؟ یہ انتہائی اہم سوال ہے جس کا جواب مسلم ملت کے ہر فرد کو تلاش کرنا ہے، خصوصاً تمام مسلم پرسنل لا بورڈ، اکابرین ملت سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ آگے آئیں اور خطوط کار کا تعین کریں۔

راجیو گاندھی ذرا تنہائی میں سوچیں کیا یہ واقعی ملک کے لئے ضروری ہے؟ اور کیا اس سے ملک و قوم کا کوئی فائدہ ہوگا؟ کیا اس سے ملک ترقی کر سکے گا؟ کیا قومی یکجہتی پیدا ہوگی؟ یا قومی منافرت پروان چڑھے گی؟ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ دستور کے دائرے میں رہتے ہوئے جمہوریت کا پورا لطف اٹھایا جائے اور ہر فرد اور گروہ کو یکساں ترقی کے مواقع میسر ہوں۔ اور تمام طبقوں اور قومیتوں کو بلا کسی خوف و خطر ترقی کرنے دیا جائے، اس طرح ملک بھی ترقی کرے گا اور لا اینڈ آرڈر کا مسئلہ بھی پیدا نہ ہوگا۔ اب اپنے پرسنل لا پر عمل کریں یا نہ کریں، اس کو روز بنائیں اور روز بگاڑیں ہم سے کیا مطلب مگر ہمارے پرسنل لا میں مداخلت نہ کریں۔ ہمیں اپنے مذہب، اپنے عقیدے، اپنی تہذیب و تمدن پر عمل کرنے دیں۔ اس سے آپ کا کیا نقصان ہوگا؟ شاید آپ کو اس بات کا علم ہو کہ ہندوستان کے مسلمان اس کو برداشت نہیں کر سکیں گے کیونکہ ان کا عقیدہ اور ایمان ہے کہ یہ خدا کا بھیجا ہوا آخری سچا اور فطرت کے عین مطابق مذہب ہے۔ اور ساری انسانیت کے لئے ہے۔ آپ اس کا مطالعہ کریں ممکن ہے ایک دو پرسنٹ منافق مسلمان ہماری صفوں میں آپ کے ہم خیال مل جائیں مگر اکثریت جان دینا زیادہ پسند کرے گی۔ کیا آپ ۱۵ کروڑ مسلمانوں کو گولیوں سے بھوننا پسند کریں گے۔۔۔۔۔۔؟

کرنے کے اور بھی بہت سے کام ہیں۔ پورا ہندوستان اس وقت تشدد کی لپیٹ میں ہے۔ خود آپ کی جان بھی محفوظ نہیں ہے، روزانہ ہزاروں سپیشل پولیس گارڈ آپ کی دن رات حفاظت کرتے ہیں کروڑوں

(بقیہ اداریہ)

روپے آپ کی حفاظت پر خرچ ہوتے ہیں۔ بلٹ پروف جیکٹ، بلٹ پروف کار، اور بلٹ پروف شیشہ کے بغیر آپ کہیں آ جا نہیں سکتے۔ اس کا آپ نے تجزیہ تو کیا ہوگا، کوئی وجہ تو ہوگی کہ ملک کا وزیر اعظم آج غیر محفوظ ہے، کیا اس مسئلے سے یکساں سول کوڈ زیادہ ضروری ہے؟

ہندوستان میں دو تہائی آبادی جاہل و ان پڑھ ہے، غربت کی چکی میں پس رہی ہے، ہزاروں دیہات زندگی کی ادنیٰ سہولتوں سے بھی محروم ہیں، نہ آمد و رفت کا کوئی ذریعہ ہے، نہ پینے کا پانی میسر ہے نہ روشنی کا کوئی انتظام ہے، نہ دوا علاج کی کوئی سہولت ہے، لاکھوں نوجوان بے کار اور بے روزگار ہیں، ان تمام چیزوں سے نظر پھیر کر آپ ایک اور مسئلہ بہت بڑا مسئلہ ۱۵ کروڑ ہندی مسلمانوں کے لئے مسئلہ، نفرتوں کا ایک درخت، تعلقات اور محبتوں کو تقسیم کرنے والی ایک فصیل، بہت اونچی فصیل۔ یکساں سول کوڈ، یا لازمی یکساں سول کوڈ قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے تمام تیاریاں مکمل کر چکے ہیں۔ بتائیے کیا یہ مفید ہے؟ کیا یہ مناسب ہے؟

طارق [illegible] ندوی

(بقیہ سرور عالم)

ڈیڑھ ہزار برس پہلے یہ جتنی سچی اور کارگر تھی اتنی ہی آج ہے اور اتنی ہی دس ہزار برس بعد بھی ہوگی اب آخری شرط باقی رہ جاتی ہے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف خیالی نقشہ ہی پیش نہیں کیا بلکہ اس نقشہ پر ایک زندہ سوسائٹی پیدا کر کے دکھا دی۔ انہوں نے ۲۳ برس کی مختصر مدت میں لاکھوں انسانوں کو خدا کی حکومت کے آگے سر اطاعت جھکانے پر آمادہ کیا۔ ان سے خود پرستی بھی چھڑائی اور خدا کے سوا دوسروں کی بندگی بھی، پھر ان کو جمع کر کے خالص خدا کی بندگی پر ایک نیا نظام اخلاق، نیا نظام تمدن، نیا نظام معیشت، اور نیا نظام حکومت بنایا۔ اور تمام دنیا کے سامنے اس بات کا عملی مظاہرہ کر کے دکھا دیا کہ جو اصول وہ پیش کر رہے ہیں اس پر کیسی زندگی بنتی ہے، اور دوسرے اصولوں کی زندگی کے مقابلہ میں وہ کتنی اچھی کتنی پاکیزہ اور کتنی صالح ہے۔

یہ وہ کارنامہ ہے جس کی بنا پر ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سرور عالم یا سارے جہان کا لیڈر کہتے ہیں۔ ان کا یہ کام کسی خاص قوم کے لئے نہ تھا، تمام انسانوں کے لئے تھا۔ یہ انسانیت کی مشترک میراث ہے جس پر کسی کا حق کسی دوسرے سے کم یا زیادہ نہیں ہے۔ جو چاہے اس میراث سے فائدہ اٹھائے۔

محمد رضی الاسلام ندوی، علی گڑھ

حروفِ مقطعات

ایک علمی بحث

حروف مقطعات پر متقدمین اور متاخرین تمام ہی مفسرین نے بحث کی ہے اور انھیں معنی کا جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں مجھے مغرب (MOROCCO) کی ایک خاتون ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی کی عربی کتاب "الاعجاز البیانی للقرآن" (قرآن کا اعجاز بیان) کے مطالعہ کی توفیق ہوئی۔ جس میں حروف مقطعات پر ایسی شاندار بحث ہے جو مجھے کہیں اور دیکھنے کو نہیں ملی۔ موصوفہ مغرب میں قرویین یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ قرآنی موضوعات پر بہت سی کتابیں تصنیف کر چکی ہیں جیسے التفسیر البیانی، القرآن والتفسیر العصری اور مذکورہ کتاب الاعجاز البیانی للقرآن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے اعجاز قرآن کی تاریخ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ حروف مقطعات، ترادف، فواصل اور قرآن کے بعض اسالیب پر بہت ہی شاندار بحث کی ہے۔ انھوں نے ان تمام بحثوں کو قرآن کے اعجاز سے جوڑنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس وقت حروف مقطعات پر ان کی بحث کا خلاصہ پیش کر رہا ہوں۔

حروف مقطعات کو بنت الشاطی نے "فواتح" کا نام دیا ہے۔ بعض مفسرین نے ان کے لئے حروف تہجی اور بعض نے "اوائل السور" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

حروف مقطعات کے ذریعہ ۲۶ مکی سورتوں اور ۳ مدنی سورتوں کا آغاز ہوا ہے۔ سلف نے غور و فکر کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ ان حروف کی تعداد حروف تہجی کا نصف ہے خواہ کسی بھی صورت سے دیکھا جائے۔ چنانچہ اس میں پانچ حروف مہموس ہیں جبکہ حروف مہموسہ کی تعداد دس ہے۔ تین حروف حلقی ہیں، جبکہ حروف حلقی کی تعداد چھ ہے۔ حروف مطبقہ دو ہیں جبکہ کل حروف مطبقہ چار ہیں۔ اسی طرح حروف مجہورہ، حروف غیر حلقی، حروف شدیدہ، حروف رخوہ، حروف مستعلیہ اور حروف منخفضہ کی تعداد ان کی مجموعی تعداد کا نصف ہے۔ اس سے بعض لوگوں نے جنہیں باقلانی بھی ہیں یہ نتیجہ نکالا کہ ان حروف کا ان وجوہ سے جنھیں علمائے لغت نے ایک زمانے کے بعد وضع کیا ہے

بقدر النصف آنا دلائل اعجاز میں سے ہے۔

حروف مقطعات کے بارے میں سلف کے مختلف اقوال ہیں، ہم نہایت اختصار کے ساتھ انھیں بیان کریں گے، اس کے بعد ڈاکٹر بنت الشاطی کی اپنی تحقیق بیان کریں گے۔

(۱) ایک قول یہ ہے کہ یہ ایسے حروف ہیں جن سے اللہ کا اسم اعظم بنتا ہے مگر ہم انھیں جوڑنا نہیں جانتے۔

(۲) ایک قول یہ ہے کہ یہ اللہ کے اسماء حسنیٰ پر دلالت کرتے ہیں، جیسے "ک" سے کریم، "ہ" سے ہادی، "ع" سے عزیز یا علیم یا علی وغیرہ۔

(۳) ایک قول یہ ہے کہ ان سے فرشتوں یا انبیاء کے ناموں کی طرف اشارہ ہے۔

(۴) ایک قول یہ ہے کہ یہ ان سورتوں کے نام ہیں جن کے شروع میں آئے ہیں۔ یہ ان سورتوں کے حقیقی نام ہیں بلکہ محض شروع میں آنے کی وجہ سے انھیں سورتوں کا نام کہا جاتا ہے جیسے امرؤ القیس کے معلقہ کو قفا نبک اور طرفہ کے معلقہ کو عفت الدیار کہتے ہیں۔

(۵) ایک قول یہ ہے کہ یہ قرآن کے نام ہیں۔

(۶) ایک قول یہ ہے کہ یہ تنبیہ کے الفاظ ہیں۔ قرآن نے تنبیہ کے معروف الفاظ چھوڑ کر انھیں اس لئے اختیار کیا تاکہ کلام بشر سے مشابہت نہ رہے اور لوگوں کی توجہ مبذول کرنے کے سلسلہ میں زیادہ مبلغ ہو۔ پھر اس قول کے قائلین میں اختلاف ہے کہ اس تنبیہ کے مخاطب کون ہیں؟ بعض نے کہا کہ اس کے مخاطب مشرکین ہیں۔ اور بعض نے آنحضرتؐ کو ان کا مخاطب قرار دیا ہے۔

(۷) ایک قول یہ ہے کہ ان سے ابجد کے حساب سے ملت کی مدت یا امم سابقہ کی مدت یا دنیا کی مدت کی طرف اشارہ ہے۔ اس سلسلہ میں ایک یہودی کا طویل قصہ بھی نقل کیا گیا ہے جس نے حضورؐ کے سامنے ان سے ابجد کا حساب نکالا تھا۔

(۸) ایک قول یہ ہے کہ ان سے اس بات کا اشارہ ہے کہ جو حروف سورتوں کے شروع میں ہیں وہ سورتوں کے اندر بکثرت آئے ہیں۔ اسے علامہ زرکشی نے اپنی کتاب البرہان میں بیان کیا ہے اور مثالیں بھی دی ہیں جیسے سورہ ق کے شروع میں ق ہے اور اس میں حرف "ق" کثرت سے آیا ہے جیسے قرآن، خلق، قول، رقیب، سائق، قرین، قلب، قرن

رزق وغیرہ۔ سورہ یونس کے شروع میں "الر" عرب ان میں سے الفاظ جنہیں "الر" کے حروف جوں وو تو

کے قریب آتے ہیں وغیرہ۔

(۹) کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ یہ اللہ کے پوشیدہ اسرار میں سے ہے۔ اور کچھ لوگ رہتے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

ان کا علم صرف اپنے نبی کو دیا ہے، اور دوسرے لوگوں کو ان کی تاویل میں غور و خوض سے منع کیا ہے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی نے حروف مقطعات کے سلسلہ میں تقریباً بیس اقوال نقل کئے ہیں۔

ساتھ ہی اس قول کا رد کیا ہے کہ "ان کا علم اللہ کے اسرار میں سے ہے" کہتے ہیں۔

"اگر اہل عرب ان کا کوئی متداول مدلول نہ جانتے تو سب سے پہلے نبی کے سامنے ان سے لاعلمیت

کا اظہار کرتے، آپ نے ان کے سامنے حم، ص اور دوسرے حروف مقطعات کی تلاوت کی مگر انہوں

نے کبھی ان سے ناواقفیت کا اظہار نہیں کیا بلکہ صراحت سے ان کی بلاغت و فصاحت تسلیم کی حالانکہ

وہ کمزوری کی ٹوہ میں اور لغزش کے متمنی رہتے تھے، معلوم ہوا کہ حروف مقطعات کا معاملہ ان کے درمیان

معروف تھا جس کا انکار ممکن نہ تھا۔

ان تمام اقوال کا رد صرف اس سوال سے ہو جاتا ہے کہ آخر یہ حروف صرف مخصوص سورتوں

ہی کے شروع میں کیوں آئے ہیں؟ زمخشری نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ان سے مراد محض تمیز ہے۔

جیسے کوئی شخص اپنے ایک بیٹے کا نام زید اور دوسرے کا عمرو رکھ دے تو اس سے یہ نہیں پوچھا جائیگا

کہ تم نے اس کا نام زید اور اس کا نام عمرو کیوں رکھ دیا؟

البتہ امام فخر الرازی نے اس کی حکمت کی طرف اشارہ کیا ہے، کہتے ہیں کہ ان کے بعد عموماً قرآن کا

ذکر ہے جیسے الٓمٓ ذٰلک الکتٰب (بقرہ)، المٓصٓ کتاب انزل الیک (اعراف)، یٰسٓ

والقرآن (یٰس)، صٓ والقرآن (ص)، قٓ والقرآن (ق)، سوائے تین سورتوں کے اور وہ

ہیں مریم، عنکبوت اور روم کہ ان کے بعد قرآن کا تذکرہ نہیں ہے۔ ان کی حکمت یہ بیان کی

ہے کہ قرآن عظیم کلام ہے اس لئے جن سورتوں کے شروع میں قرآن کا ذکر ہے ان سے پہلے تنبیہ کے

الفاظ آئے ہیں تاکہ مخاطب قرآن سننے کے لئے تیار ہو جائے۔

یہ تاویل کچھ جچی نہیں، اس لئے کہ بعض اور سورتوں کے شروع میں قرآن کا ذکر ہے مگر ان کے

شروع میں حروف مقطعات نہیں آئے ہیں جیسے کہف، فرقان، قدر اور زمر وغیرہ اسی طرح

قرآن میں تنبیہ بغیر حروف مقطعات کے بھی آئی ہے جیسے نازعات اور تحریم میں ندا کے ذریعے، الضحیٰ

العصر، اللیل، الفجر، الشمس، النجم میں قسم کے ذریعے اور توبہ میں صیغہ اللہ ذکر کرکے۔

حروف مقطعات کے سلسلہ میں جتنے اقوال گزرے ہیں ان میں قرآنی مزاج سے قریب ترین قول

یہ ہے کہ یہ حروف اس لئے ذکر کئے گئے ہیں تاکہ ان لوگوں کو جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے یہ معلوم

ہو کہ قرآن انھیں حروف سے مرکب ہے جنھیں وہ بھی جانتے ہیں اور ان سے اپنا کلام بناتے ہیں، اہل

عرب کے الفاظ کی طرح حروف مقطعات ایک دو تین چار اور پانچ حرف پر آتے ہیں اور پانچ حرف

سے زیادہ عربی کا کوئی لفظ مرکب نہیں ہوتا۔

اسے طبری، زمخشری، قرطبی، مبرد، رازی، ابن تیمیہ اور دوسرے محققین نے بیان کیا ہے،

حافظ ابن کثیر نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ جن سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات آئے ہیں

ضروری ہے کہ ان میں قرآن کی عظمت کا تذکرہ اور اعجاز کا بیان ہو۔ کہتے ہیں:

"ان حروف کے آنے میں قرآن کا اعجاز ظاہر ہوتا ہے اور یہ کہ مخلوق اس جیسے کلام کے ذریعے

اس کا معارضہ کرنے سے عاجز ہے باوجودیکہ قرآن بھی انھیں حروف سے مرکب ہے جن سے وہ آپس

میں کلام کرتے ہیں۔ اور جن تین سورتوں کے شروع میں قرآن کا تذکرہ نہیں ہے ان کے درمیان یا

آخر میں قرآن کا تذکرہ ہے۔ اس طرح استثناء ختم ہو جاتا ہے۔"[۱]

حروف مقطعات کے بارے میں سلف کے اقوال بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر بنت الشاطی نے

ان کے بارے میں اپنی تحقیق بیان کی ہے، کہتی ہیں:

"ہمارا طریقۂ بحث یہ ہوگا کہ ہم حروف مقطعات سے شروع ہونے والی تمام سورتوں

کا نزول کی ترتیب سے مکمل استقراء کریں گے اور یہ ایسی کوشش ہے جس کی طرف میرے جتنے بھی لوگوں

کی کتابیں پڑھیں کسی نے التفات نہیں کیا ہے جبکہ یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے ہم ان تمام

سورتوں کے سیاق میں تدبر کرکے ان میں مشترک پہلو تلاش کر سکیں گے۔"

اس سلسلہ میں انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ حروف مقطعات سے شروع ہونے والی سورتوں

میں صرف تین مدنی سورتوں کے علاوہ دو تہائی تمام مکی سورتیں ہیں۔ اور اس کے ذریعے اس بات

کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب مکہ کے مشرکین قرآن کے بارے میں مجادلہ کرتے رہتے اے محمدؐ کا

تصنیف کیا ہوا کہتے رہے۔ شعر، کہانت اور سحر قرار دیتے رہے۔ اس وقت تک سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات نازل ہوتے رہے۔ اور مشرکین پر اتمام حجت کرتے کہ یہ قرآن انھیں حروف سے مرکب ہے جن سے تم اپنا کلام بناتے ہو۔ پھر اگر وہ محمدؐ کا بنایا ہوا ہے تو تم بھی ویسا ہی لاکر دکھاؤ اور چونکہ ہجرت کے بعد مجادلہ کی بحث ختم کر دی گئی اس لئے اس کے بعد حروف مقطعات بھی آنے بند ہوگئے۔

سب سے پہلی سورت جس کے آغاز میں حرف ہے سورہ قلم ہے جو ترتیب نزول میں دوسرے نمبر پر ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اس میں حرف کے فوراً بعد قلم اور لکھی جانے والی چیزوں کا تذکرہ ہے۔ اور معجزہ کے سلسلہ میں مجادلہ کرنے والوں کا رد ہے۔ ن والقلم وما یسطرون۔ ما انت بنعمۃ ربک بمجنون ... اذا تتلی علیہ آیاتنا قال اساطیر الاولین۔ (القلم - ۱) (ترجمہ: قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں۔ تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ہے۔ جب اس پر ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ پہلے کے لوگوں کے قصے ہیں)

صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات میں مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تائید ہے اور ان لوگوں کے مقابلہ میں آپ کو ڈھارس بندھائی جا رہی ہے جو آپ کی تکذیب کر رہے ہیں۔ آپ کے معجزۂ قرآن کے سلسلہ میں مجادلہ کر رہے ہیں اور یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ قرآن ویسے ہی گڑھے ہوئے قصوں کی طرح ہے جیسے وہ لکھتے رہتے ہیں۔

مکی زندگی کے شروع میں مشرکین کی مخالفتیں تیز ہوگئیں۔ معجزۂ قرآن کے بارے میں ان کا مجادلہ شدت اختیار کر گیا اور وہ اس کی تکذیب پر ڈٹے رہے۔ اسے خود ساختہ قصے کہتے رہے اور شاعر، کاہن اور ساحر کا قول قرار دیتے رہے۔ اسی لئے اس کے بعد کی حروف مقطعات سے شروع ہونے والی نو سورتوں میں ان کی تردید کی گئی اور ان کے شبہات کا جواب دیا گیا۔ وہ نو سورتیں یہ ہیں۔ نمبروں سے ان کی ترتیب نزولی کی طرف اشارہ ہے۔ ق (۳۴) ص (۳۸) اعراف (۳۹) یٰسین (۴۱) مریم (۴۴) طٰہٰ (۴۵) الشعراء (۴۷) النمل (۴۸) القصص (۴۹) ان میں شروع کی تین سورتوں میں مقطعات صرف ایک حرف سے آئے ہیں (ن، ق، ص) اور بقیہ سورتوں میں دو حروف سے (یٰس، طٰہٰ، طٰس)، تین حروف سے (طٰسم) چار حروف سے (المص) اور پانچ حروف (کھیٰعص) سے آئے ہیں۔ اور عربی کے الفاظ بھی

حروف کی انھیں تعداد اور ترتیب سے ہوتے ہیں اس سے اس بات کا اشارہ مقصود ہے کہ بسا اوقات حروف کے ملنے سے بھی بے معنی الفاظ بنتے ہیں لیکن جب حرف بیان میں اپنی متعین جگہ نصب ہوتا ہے تو اس کا اعجاز ظاہر ہوتا ہے۔

اس کے بعد سورہ اسراء نازل ہوئی جو نزول کی ترتیب کے مطابق پچاسویں سورۃ ہے۔ اس میں کھلے طور پر مشرکین کو چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر قرآن انسانی کلام ہے تو وہ لوگ بھی اس کے مثل لاکر دکھائیں۔ "کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لا سکیں گے، چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں" (الاسراء - ۸۸)

اس کے بعد متصل سورہ یونس (۵۱) اور سورہ ہود (۵۲) نازل ہوئیں جن کا آغاز (الر) سے ہوا ہے۔ دونوں میں مشرکین کے معجزہ میں مجادلہ کے رد میں چیلنج کی آیتیں ہیں۔ اس سے متصل تین سورتیں یوسف (۵۳)، حجر (۵۴) اور لقمان (۵۷) نازل ہوئیں جن کا آغاز (الر، الر، الم) سے ہوا ہے۔ ان سورتوں میں ایسی آیتیں ہیں جو مشرکین کے قرآن کا مجادلہ کرنے کی حماقت کو آشکارا کرتی ہیں، اور قرآن کے مثل ایک سورۃ بھی لا سکنے سے ان کی عاجزی ظاہر کرتی ہیں۔ اس کے بعد سات سورتیں "حم" سے شروع ہوتی ہیں جو ترتیب نزول میں یکے بعد دیگرے ہیں (۶۱-۶۶) اور مصحف کی ترتیب میں بھی مسلسل ہیں اور وہ یہ ہیں مومن، حم السجدہ، شوریٰ، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، سب وہ حروف "حم" سے شروع ہوتی ہیں۔ شوریٰ میں ان کے ساتھ "عسق" بھی ہے۔ سب میں مشرکین کا رد کرتے ہوئے قرآن کا اللہ کی طرف سے ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔ حروف مقطعات کے بعد فوراً ہی بیان کیا گیا ہے کہ یہ عزیز و حکیم کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ عربی مبین میں ہے، اور اس کی آیات ان لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں جو جاننا چاہتے ہیں۔ اور جو لوگ مجادلہ کر رہے ہیں انھیں برے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ اسی طرح یہ سورتیں محمدؐ سے افتراء کی تہمت اور سحر کے الزام کی تردید کرتی ہیں۔

حم سے شروع ہونے والی سورتوں کے بعد پانچ سورتیں بغیر حروف مقطعات کے نازل ہوئیں۔ امید تھی کہ اب معجزہ کے بارے میں مشرکین کا مجادلہ ختم ہو جائے گا اس لئے کہ ان پر اتمام حجت ہو گیا ہے۔ اور تسلیم کے بغیر چارہ ہی نہیں کہ قرآن اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے

لیکن مشرکین قرآن کے بارے میں بے سوچے سمجھے الٹی سیدھی باتیں کرتے رہے اس لئے پھر سورہ ابراہیم (۷۲) اور سورہ سجدہ (۷۵) نازل ہوئیں جو الر اور الم سے شروع ہوتی تھیں اور ان کے فوراً بعد کتاب کے اللہ کی طرف سے نازل ہونے کا تذکرہ تھا اور مجادلہ کرنے والوں کے دلائل کا رد کیا گیا تھا۔

اس کے بعد دو سورتیں سورہ طور (۷۶) اور سورہ حاقہ (۷۸) بغیر حروف مقطعات کے نازل ہوئیں۔ ان کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین اپنی سرکشی اور کفر پر ڈٹے رہے، وہ قرآن کے اس چیلنج سے پریشان ہو گئے جس نے ان کی بے بسی عیاں کر دی تھی چنانچہ وہ پینترے کی سی حرکتیں کرنے لگے اور قرآن کو شاعر کا یا مجنون کا قول کہنے لگے (دیکھئے طور آیات ۲۹-۳۴ اور الحاقہ آیات ۴۱-۵۲)

اس کے بعد اور مکرر چیلنج کے بعد مکی عہد کے آخر میں دو سورتیں روم (۸۴) اور العنکبوت (۸۵) نازل ہوئیں جن کا آغاز الم سے ہوا ہے اگرچہ ان دونوں سورتوں کے شروع میں قرآن کا اور اسکے رب العالمین کی طرف سے نازل ہونے کا تذکرہ نہیں ہے لیکن دونوں میں اس معجزہ کا اثبات ہے جب سے انکار پر اہل باطل آمادہ تھے

ہجرت کے بعد مدنی عہد میں وحی کا آغاز سورہ بقرہ سے ہوا جو الم سے شروع ہوتی ہے اس پہلی سورت میں قرآن نے کھلے چیلنج کے ساتھ معاجزہ کی بحث کو ختم کر دیا۔

"اگر تمھیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے یہ ہماری ہے یا نہیں، تو اس کے مانند ایک ہی سورۃ بنا لاؤ، اپنے سارے ہمنواؤں کو بلا لاؤ، ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو مدد لے لو۔ اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھاؤ، لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا اور یقیناً کبھی نہیں کر سکتے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر جو مہیا کی گئی ہے منکرین حق کے لئے" (البقرہ ۲۳-۲۴)

اس کے بعد سورہ آل عمران (الم) اور سورہ رعد (المر) کے علاوہ کسی سورۃ کا آغاز حروف مقطعات سے نہیں ہوا ہے، وہ دونوں سورتیں بھی مدنی عہد کے اوائل کی ہیں اور ان میں معجزہ کا اثبات ہے اور ان کے اللہ حی و قیوم کی طرف سے نازل ہونے اور اس کا انکار کرنے والوں کو سخت عذاب سے ڈرانے کا ذکر موجود ہے۔

سورہ رعد کے ساتھ حروف مقطعات سے شروع ہونے والی سورتوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے

جس طرح کہ سورہ بقرہ کی آیت کے ساتھ چیلنج اور معاجزہ کی بحث ختم ہو جاتی ہے جس میں مشرکین کو کھلا چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر وہ قرآن کے بارے میں کسی شک میں مبتلا ہیں تو اس جیسی ایک سورت لا کر دکھائیں۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے اور یقیناً نہیں کر سکیں گے تو انھیں جہنم کی آگ سے ڈرنا چاہئے۔

سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات اور ان کے سیاق کی ترتیب کے کلی استقرا کا خلاصہ ہم مندرجہ ذیل نقاط میں بیان کر سکتے ہیں۔

(۱) حروف مقطعات کا آغاز سورہ قلم کے ذریعہ ابتدائی وحی سے ہوا ہے۔ مکی عہد کے وسط میں نازل ہونے والی سورتوں میں۔ سورہ ق سے جس کا نمبر ترتیب نزول میں ۳۴ ہے، سورہ قصص تک جس کا نمبر ۴۹ ہے، کثرت سے حروف مقطعات آئے ہیں۔ اس وقت قرآن کے بارے میں مشرکین کا مجادلہ شدت اختیار کر گیا تھا۔ ان کے ساتھ چیلنج کی بحث پیش کی گئی، قرآن کی آیتیں انھیں چیلنج کرتی رہیں کہ اس کے مثل یا اس کی ایک سورۃ کے مثل لا کر دکھائیں، یہاں تک کہ مدنی عہد کے اوائل میں سورہ بقرہ نازل ہوئی جس نے معجزہ کی صداقت پر تمام حجت کر دی کیونکہ سب کے سب قرآن کے مثل ایک سورت بھی لانے سے عاجز تھے، اور مجادلہ ختم کر دیا۔

(۲) قرآن کی جس سورت کا بھی آغاز حروف مقطعات سے ہوا ہے اس میں قرآن کا اثبات اور اس کے اللہ کی جانب سے نازل ہونے کا تذکرہ ہے اور اس میں مجادلہ کرنے والوں کے دعووں کا ابطال ہے۔ ساتھ ہی مجادلہ کرنے والوں کے موقف کو پہلے کی ان قوموں کے موقف کے مشابہ قرار دیا گیا ہے جنھوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کا مذاق اڑایا چنانچہ ان پر عذاب نازل ہو کر رہا۔

(۳) حروف مقطعات سے شروع ہونے والی اکثر سورتیں اس مرحلہ میں نازل ہوئیں جب مشرکین کی سرکشی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور وہ وحی کو افترا، سحر، شعر اور کہانت پر محمول کر رہے تھے اس وقت قرآن نے انھیں چیلنج کیا کہ وہ سب یکجا ہو کر اور جنوں سے بھی مدد لے کر قرآن کے مثل ایک سورۃ یا دس سورتیں یا اس جیسا کلام گڑھ کر پیش کر دیں اگر ان کا یہ دعویٰ ہے کہ محمدؐ نے انھیں گڑھ کر اپنی طرف سے پیش کر دیا ہے۔

وہ سب لاجواب ہو گئے اور قرآن کے مثل ایک سورۃ بھی پیش نہ کر سکے، جبکہ یہ قرآن

عربی مبین میں تھا۔ اس کے الفاظ انہی کی زبان کے تھے۔ اس کے حروف انھیں کی لغت کے حروف تھے۔ وہی حروف جنھیں تنہا یا مرکب ٹکڑے ٹکڑے کرکے پڑھا جائے تو کوئی معنی نہیں دیتے لیکن جب قرآن میں اپنی متعین جگہ پہنچتے ہیں تو اس کا اعجاز آشکارا ہوتا ہے۔

نے حروف مقطعات کے سلسلے میں مولانا حمید الدین فراہیؒ کے نقطۂ نظر کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں۔ " جو لوگ عربی رسم الخط کی تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ عربی زبان کے حروف عبرانی سے لئے گئے ہیں اور عبرانی کے یہ حروف ان حروف سے ماخوذ ہیں جو عرب قدیم میں رائج تھے۔ عرب قدیم کے ان حروف کے متعلق استاد امامؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ انگریزی اور ہندی کے حروف کی طرح صرف آواز ہی نہیں بتاتے تھے بلکہ یہ چینی زبان کے حروف کی طرح معانی اور اشیاء پر بھی دلیل ہوتے تھے اور جن معانی اور اشیاء پر دلیل ہوتے تھے عموماً انھیں کی صورت و ہیئت پر لکھے بھی جاتے تھے۔ مولانا کی تحقیق یہ ہے کہ یہی حروف ہیں جو قدیم مصریوں نے اخذ کئے اور اپنے تصورات کے مطابق ان میں ترمیم و اصلاح کرکے ان کو اس خط تمثال کی شکل دی جس کے آثار اہرام مصر کے کتبات میں موجود ہیں۔

ان حروف کے معانی کا علم اب اگرچہ مٹ چکا ہے تاہم بعض حروف کے معنی اب بھی معلوم ہیں۔ اور ان کے لکھنے کے ڈھنگ میں بھی ان کی قدیم شکل کی کچھ نہ کچھ جھلک پائی جاتی ہے۔ مثلاً الف کے متعلق معلوم ہے کہ وہ گائے کے معنی بتاتا تھا، وہ گائے کے سر کی صورت ہی پر لکھا جاتا تھا "ب" کو عبرانی میں بیت بھی کہتے ہیں اور اس کے معنی بھی "بیت" گھر کے ہیں۔ "ج" کا عبرانی تلفظ جیمل ہے جس کے معنی جمل "اونٹ" کے ہیں۔ "ط" سانپ کے معنی میں آتا تھا اور لکھا بھی کچھ سانپ ہی کی شکل میں جاتا تھا۔ "م" پانی کی لہر پر دلیل ہوتا تھا اور اس کی شکل بھی لہر سے ملتی جلتی بنائی جاتی تھی۔

مولانا اپنے نظریہ کی تائید میں سورہ "ن" کو پیش کرتے ہیں۔ حرف "ن" اب بھی اپنے قدیم معنی ہی میں بولا جاتا ہے۔ اس کے معنی مچھلی کے ہیں اور جو سورہ اس نام سے موسوم ہوئی ہے اس میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر صاحب الحوت (مچھلی والے) کے نام سے آیا ہے۔ مولانا اس نام کو پیش کرکے فرماتے ہیں کہ اس سے ذہن قدرتی طور پر اس طرف جاتا ہے کہ اس

سورہ کا نام "نون" (ن) اسی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ اس میں صاحب الحوت (یونسؑ) کا واقعہ بیان ہوا ہے جن کو مچھلی نے نگل لیا تھا پھر کیا عجیب ہے کہ بعض دوسری سورتوں کے شروع میں جو حروف آتے ہیں وہ بھی اپنے قدیم معانی اور سورتوں کے مضامین کے درمیان کسی مناسبت ہی کی بنا پر آئے ہوں۔

قرآن مجید کی بعض سورتوں کے ناموں سے بھی مولانا کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً حرف "ط" کے معنی جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے سانپ کے تھے اور اس کے لکھنے کی ہیئت بھی سانپ کی ہیئت سے ملتی جلتی ہوتی تھی۔ اب قرآن میں سورہ طٰہٰ کو دیکھئے جو "ط" سے شروع ہوتی ہے اس میں ایک مختصر تمہید کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے لٹھیا کے سانپ بن جانے کا قصہ بیان ہوتا ہے۔ اسی طرح طسم، طس وغیرہ بھی طا سے شروع ہوتی ہیں اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لٹھیا کے سانپ کی شکل اختیار کر لینے کا معجزہ مذکور ہے۔

"الف" کے متعلق ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ گائے کے سر کی ہیئت پر لکھا بھی جاتا تھا اور گائے کے معنی بتاتا بھی تھا۔ اس کے دوسرے معنی اللہ واحد کے ہوتے تھے۔ اب قرآن مجید میں دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سورہ بقرہ میں جس کا نام الف سے شروع ہوتا ہے گائے کے ذبح کا قصہ بیان ہوا ہے۔ دوسری سورتیں جن کے نام الف سے شروع ہوتے ہیں توحید کے مضمون میں مشترک نظر آتی ہیں۔ یہ مضمون ان میں خاص اہتمام کے ساتھ بیان ہوا ہے ان ناموں کا یہ پہلو بھی خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ جن سورتوں کے نام ملتے جلتے سے ہیں ان کے مضامین بھی ملتے جلتے ہیں بلکہ بعض سورتوں میں تو اسلوب بیان بھی ملتا جلتا ہے۔

میں نے مولانا کا نظریہ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، محض اس خیال سے پیش کیا ہے کہ اس سے حروف مقطعات پر غور کرنے کے لئے ایک نئی راہ کھلتی ہے۔ میرے نزدیک اس کی حقیقت ایک نظریہ سے زیادہ نہیں ہے۔ جب تک تمام حروف کے معانی کی تحقیق ہو کر ہر پہلو سے ان ناموں اور ان سے موسوم سورتوں کی مناسبت واضح نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر ایک نظریہ سے زیادہ اعتماد کر لینا صحیح نہ ہوگا یہ محض علوم قرآن کے قدر دانوں کے لئے ایک اشارہ ہے جو لوگ مزید تحقیق و جستجو کی ہمت رکھتے ہیں وہ اس راہ میں قسمت آزمائی کریں شاید اللہ تعالیٰ اس راہ سے یہ مشکل آسان کر دے۔ (تدبر قرآن جلد اول صفحہ ۴۰-۴۱) "ادارہ"

مولانا غلام یحییٰ انجم

تعلیم کے سلسلے میں بنیادی نقطۂ نظر

"یہ مضمون مولانا غلام یحییٰ انجم کا ہے۔ آپ ہمدرد یونیورسٹی میں شعبۂ دینیات (سنی) کے استاد رہ چکے ہیں۔ ادارہ کی خواہش ہے کہ اس موضوع پر کچھ اور حضرات بھی اظہارِ خیال کریں۔ ان شاء اللہ صفحاتِ نو کے دامن کو اس کے لئے وسیع پائیں گے۔" ادارہ

زیرِ نظر مقالے کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں عربی مدارس کے درسِ نظامی پر ایک تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ دوسرے حصے میں یونیورسٹی کے نصابِ دینیات سے متعلق کچھ باتیں کہی گئی ہیں۔ بہرحال مروجہ تعلیم و تدریس کے سلسلے میں ہمارا اپنا ایک نقطۂ نظر رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ذہنوں کی اس طرح تربیت کی جائے کہ وہ پورے طور پر اسلام کے سانچے میں ڈھل جائے گویا حدِ ممکن تک کامل انسان بنانا مقصودِ تعلیم رہا ہے۔ مطلق علم انفس و آفاق کے متعلق تو بہت کچھ بتا دیگا لیکن زندگی کی ماہیت اور غایت کے متعلق اس کی رہنمائی ناقص رہے گی۔ اسلام چونکہ انسان کو مکمل شعورِ حیات بخشنا چاہتا ہے اس لئے وہ اس مطلق علم کی پذیرائی تو کرتا ہے لیکن اس پر اکتفا نہیں کرتا ہے۔ اس خاص نقطۂ نظر سے جو کچھ بھی سیکھا جائے گا۔ خالص دینی اصطلاح میں اقرارِ توحید سے علم شروع ہوگا اور اثباتِ توحید پر سفر کی منزلیں ختم ہوں گی۔ انفس ہوں یا آفاق یہ جلوۂ الٰہی کے مظاہر ہیں اس لئے جب کسی شے کی حقیقت تک نظر جائے گی تو جلوۂ الٰہی خود بخود ابھر کر سامنے آجائے گا۔ گویا ہم علم کو دینی اور دنیوی خانوں میں نہیں بانٹ سکتے۔ وہ "ایک کل" ہی رہے گا، اور کلی حیثیت سے وہ روشنی عطا کرے گا جو ذہن کو خبرِ باطن اور دل کو دولتِ سکون سے سرفراز کرے گا۔

میں نے اپنے مقصد کو زیادہ سے زیادہ کھلے الفاظ میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اگر آپ توجہ فرمائیں تو آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان معروضات کی روشنی میں نصاب کے مسئلے پر غور کرنے کا صحیح رخ اور صحیح انداز کیا ہے۔ ہم نصاب اس لئے تیار کرتے ہیں کہ علم اور شعور کا لحاظ کرتے ہوئے

۱؎ یہاں ایک حصہ جو عربی مدارس سے متعلق ہے دیا جا رہا ہے۔

فطری قسط علم کو انسانی ذہنوں میں پہنچایا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی کم اہم نہیں ہے کہ ابلاغ کا انداز کیا ہونا چاہئے گویا اچھی طرح انسانی شعور کے ارتقاء کے تصور کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ہمیں علم و مسائل کا انتظام کرنا ہے۔ اسی لئے ہم تعلیمی مدت مدارج میں تقسیم کر دیتے ہیں اور ہر درجے کے ساتھ کمیت و کیفیت کا ایک واضح تصور وابستہ کر دیتے ہیں۔ ہم یہاں ثانوی نصاب کے سلسلے میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن بات تو بہرحال ابتداء سے شروع ہوگی گویا ہمیں ابتدائی سطح پر بچہ کو الفاظ کے ذریعہ چھوٹی چھوٹی عبارتوں اور نصاب ابتدائی تا ثانوی کے وسیلے سے اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا کام شروع کرنا ہے اور اس کے ذہن کو اس طرح تیار کرنا ہے کہ اسے اسی امداد میں زیادہ سے زیادہ جاننے کا شوق پیدا ہو جائے۔ اس ذہن کے بچے جب ہمیں ثانوی کلاس میں ملیں تو ہم اپنے نقطۂ نظر کی روشنی میں اپنے سوچے ہوئے نصاب کی مدد سے انہیں زیادہ سے زیادہ باخبر بھی کر سکتے ہیں اور صاحبِ ایمان بھی بنا سکتے ہیں۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اسی خاص نقطۂ نظر سے ہمارے نصابِ تعلیم میں بنیادی ترمیمات کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس نصاب کو عمر کے اعتبار سے، مقصدیت کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ جاندار، موثر اور بامعنی بنانا ہے۔ میں اگر ایک جملہ میں کہنا چاہوں تو میں یہ عرض کروں گا کہ جس طرح یونانی طب هو الشافی کی بدولت اسلامی طب بن گیا اسی طرح هو الخالق کی بدولت موجودہ سائنس اسلامی سائنس بن جائے گی مگر اس کے لئے ہمیں ان محرکات پر غور کرنا پڑے گا جو اس کے لئے ممد و معاون ثابت ہو سکیں گے۔ آج کی رائج الوقت تعلیم عظیم اسلامی مقاصد میں کامیابی نہیں عطا کر سکتی ہے۔ اس کے لئے ہم از سرِ نو تو نہیں مگر نصاب میں کچھ اس طرح ترمیم لازمی سمجھیں گے جو انسانی شعور کی صحیح معنی میں تربیت کرنے کے ساتھ ساتھ عصری تقاضوں کو بھی پورا کر سکے۔

یہاں میری مراد ترمیم سے چند نصابی کتابوں کو خارج کر کے کچھ غیر نصابی کتابوں کو شاملِ درس کرنا ہرگز نہیں بلکہ میری مراد ترمیم سے یہ ہے کہ دینی علوم کو آپ بنیادی علوم بنا اس طرح آمادہ رکھیں کہ وہ اس کا دورانِ خون، اس کی روح، دل اس کی بینائی اور شنوائی اس کا احساس اور اس کا شعور و فکر بن جائے اور مغربی علوم و فنون کے تمام صالح اجزاء کو اپنے اندر جذب کر کے اپنی تہذیب کا جز بنالے جب اپنے اس مقصد میں ہم کامیاب ہو جائیں گے اور اس نئے نظامِ تعلیم کے ساتھ مدارس میں تعلیمی رواج پیدا کر دیں گے تو یقیناً ایسے باکمال مسلمان دینی اور دیگر تمام علوم

وفنون کے ماہر تو پیدا ہوں گے جن پر دنیا رشک کرے گی۔

ہمارے اس طریقہ کار پر کوئی شرعی گرفت بھی نہیں ہے، آپ خود غور فرمائیں کہ جب نصاب کی کوئی حد بندی نہ تھی لوگ عمومی تعلیم حاصل کرتے تھے، سماجیات، تاریخیات، حیوانیات، نفسیات، طبیعیات تمام علوم سے اپنے کو باخبر بنائے رکھتے، اور تمام فنون کو دلچسپی سے حاصل کرتے تھے، مذکورہ فنون کو درس نظامی کے نصاب میں شامل کرنا ہی صرف ضروری نہیں بلکہ اہم مطلب ہے۔

ابن خلدون نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "مقدمہ" میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے، انھوں نے علوم اسلامیہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، پہلا علوم طبعیہ، دوسرا علوم نقلیہ، اس کے علاوہ ایک عمومی تقسیم بھی ہے، ایک علم لدنی دوسرا علم عقلی۔ آج بھی ہم خود اپنی درسگاہوں میں جو علوم بچوں کو سکھاتے ہیں اسے دو حصوں میں تقسیم کرکے ایک کو علوم منقول اور دوسرے کو علوم معقول کہتے ہیں، بات بالکل واضح ہے کہ علوم عقلیہ میں ریاضیات، طب، طبعیات، کیمیا، ہیئت، زراعت وغیرہ کے علوم شامل تھے، دینی علوم میں تفسیر، حدیث، فقہ اور کلام شامل مانا جاتا تھا اور غالباً آج بھی یہی ذہن ہے، جب علم کے علوم میں اس قدر وسعت ہے تو ہمارے درس نظامی کو صرف دینی علوم تک محدود رکھنا اور علوم عقلیہ کو صرف منطق و فلسفہ تک حد بندی کرنا امت مسلمہ کے ساتھ زیادتی بلکہ اسلام کے ساتھ کھلی ہوئی ناانصافی ہے۔

اس توقع سے میں یہ ضرور عرض کرنا چاہوں گا علوم عقلیہ کو منطق و فلسفہ کی حد تک نصاب درس میں شامل کرکے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ موجودہ سائنس جسے قریب ہوکر سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش نہیں کرتے وہ حقیقت میں بھی علوم عقلیہ کا ایک جزء ہی صرف نہیں بلکہ اہم ترین جزء ہے۔ وہ اس طرح کہ ہم علوم عقلیہ کو دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں، ایک کا تعلق "قیاسیات" سے ہوگا۔ جن کا نام ہم منطق و فلسفہ یا کوئی دوسرا رکھیں اور دوسرے کا تعلق "تجربات" سے ہوگا جسے ہم سائنس کی زبان میں فزکس، کیمسٹری، باٹنی، زوولوجی، جیالوجی اور ٹکنالوجی وغیرہ کہہ سکتے ہیں، تو درحقیقت ان تجرباتی علوم سے ہمیں گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ علوم عقلیہ کا ایک حصہ مان کر اس کی تحصیل کی طرف قدم بڑھانا چاہئے ہمارے لئے یہ اقدام کوئی نیا نہیں بلکہ عہد وسطیٰ کی تاریخ اٹھاکر دیکھیں گے تو آپ کو ایسے بیشتر افراد ملیں گے جنھیں دینی علوم کے علاوہ ہر قسم کے دنیوی علوم میں بھی دستگاہ کامل حاصل

تھی، اس دور کے نظام تعلیم نے بڑے بڑے فقیہ، متکلم، سائنسدان، ماہر ریاضیات، ادیب، اور سیاستدان پیدا کئے، جن میں سے امام ابوحنیفہ، غزالی، ابن سینا، البیرونی، خیام، ابن خلدون، امیر خسرو ابوالفضل فیضی جیسے مشاہیر بھی ہیں،

موجودہ نصاب تعلیم کی تکمیل کے بعد تو دینی معلومات حاصل ہوجاتی ہیں۔ مگر اپنے طبعی اور معاشرتی ماحول کے بارے میں اس کا علم تقریباً نہیں کے برابر ہوتا ہے، لیکن پھر بیک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ اپنی اس دینی معلومات کی بنیاد پر سماج کا منفعت بخش رکن نہ بن کر ناخواندہ جاہل مسلمانوں کا، جیسا بن جاتا ہے،

موجودہ نصاب تعلیم کی ہم قطعاً مخالفت تو نہیں کرتے مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ اس نصاب تعلیم میں جو کمیاں ہیں ان کی تلافی کرکے اسے حسین تر اور عصری تقاضوں کے مطابق اسلام کی روشنی میں اس پر نیا خول چڑھائیں۔ موجودہ نصاب تعلیم اپنے ارتقائی مرحلہ میں کچھ کم اہمیت کا حامل نہ تھا اس کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ موجودہ نصاب تعلیم ساتویں صدی ہجری سے لے کر اب تک کچھ ہی ترمیم و تبدیلی کے ساتھ بدستور جاری ہے۔ اور وہ لکیر جو صدیوں پہلے کھینچ دی گئی تھی اسی پر طلبہ اور اساتذہ مقصود حیات سمجھ کر سرگرم سفر ہیں، آج زمانہ کس راستے پر چل رہا ہے اہل دانش اسے بخوبی جانتے ہیں مگر اس کے باوجود بھی گوشہ عزلت میں بیٹھ کر قوم کی تباہی پر آنسو ریزی کرنے کے بجائے اس کا مداوا ڈھونڈھنا چاہئے۔

زمانی ارتقاء کے ساتھ مزاج تعلیم میں تبدیلی

اسلام نے خود ارتقائی زمان کے ساتھ مزاج تعلیم اختیار کرنے کا حکم دیا ہے یہ تو بہرحال آپ کو معلوم ہوگا کہ قبل بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کی کیا حالت تھی ان کا سماج و معاشرہ کس ڈھرے پر چل رہا تھا، بعثت کے بعد اسی معاشرے نے ایک نیا موڑ اختیار کیا جس کا احساس اب بھی بدستور باقی ہے، اسی موڑ کو تاریخ اسلام میں انسانیت کا معیار قرار دیا گیا، خلاق عالم نے اسی مناسبت سے ان بدلتے ہوئے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے۔ یہی الہامی کتاب کو ایک بدلتے ہوئے لب ولہجہ میں نازل کیا جو قدیم معاشرہ کے لب ولہجہ سے اس قدر مختلف ہے کہ توراۃ، زبور، انجیل قدیم منہج تعلیم کی دھجیاں بکھیر دیں اور یہ واضح کردیا کہ تعلیم وقت ہی کا ہے جو موجودہ ابھارے روایتی لب ولہجے سے قطعی طور پر

مختلف ہے۔ چنانچہ ہمارے اسلاف نے بھی وقتاً فوقتاً زمانہ کی تبدیلیوں کو محسوس کرتے ہوئے مناہج تعلیم کو وقت کے سانچے میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر جب دوسری صدی ہجری کی ابتداء میں فلسفہ بالخصوص منطق اسلامی فکر میں داخل ہوئی تو بعض دیندار علماء نے اس کی بڑی شدت سے مخالفت کی مگر جب ملاحدہ و زنادقہ دونوں نے اسلام پر حملے شروع کئے تو پھر مجبوراً اس صدی کے پچیس تیس سال بعد خلیفۃ المسلمین مہدی نے متکلمین کو بلا کر زنادقہ کی رد میں کتابیں لکھوائیں اور اس کے لئے ان متکلمین نے فلسفہ کا مطالعہ شروع کیا (ملاحظہ ہو شہرستانی کی کتاب الملل والنحل اور نسفی کی شرح عقائد) اور پھر وہ زمانہ بھی آیا کہ امام غزالی نے "تہافت الفلاسفہ" لکھنے سے پہلے "مقاصد الفلاسفہ" لکھی اور اس طرح فلسفہ جس کے متعلق بڑی شدومد سے کہا جاتا تھا "من تمنطق تزندق" اسی منطق کو امام غزالی نے اصول فقہ کے مبادی میں شامل کیا (ملاحظہ فرمائیے مستصفی الاصول کا مقدمہ) وہی صورت آج بھی درپیش ہے، جس سائنس کو ہمارے علماء دہریت کا پیش خیمہ سمجھتے ہیں۔ آج ہماری ضرورتیں ہمیں مجبور کرتی ہیں کہ اپنے بچوں کا مستقبل روشن کرنے کے لئے انھیں دینی علوم کے بجائے اسی سائنس کے شعبوں میں بھیجیں اور اس کے لئے ہم لوگ اپنے عقیدوں اور دین کے باوجود جو کوشش کرتے ہیں اور جس طریقے سے اپنے بچوں کا انگلش میڈیم یا میڈیکل میں داخلہ کراتے ہیں وہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے تو پھر کیوں نہ اپنے بچوں کو ایسی تعلیم دیں کہ وہ سائنس پڑھ کر اپنے دنیوی مستقبل کو روشن بنا سکیں اور اس کے ساتھ دینی علوم پڑھ کر اپنا عقبیٰ استوار کر سکیں، اور اس طرح دنیا کے سامنے ایک انسان کامل کا نمونہ پیش کر سکیں۔

آج زمانے کے مزاج سے کون واقف نہیں، یقیناً دنیا کی زبان بدل چکی ہے، اس کے مفروضات اور مسلمات تبدیل ہو گئے ہیں، تصورات میں زمین و آسمان کا فرق آگیا ہے، سوچنے کا انداز بالکل مختلف ہو چکا ہے، پرانے اسلحے بدل ڈالے گئے ہیں، طاقتوں میں نوعی فرق آگیا ہے، سادہ لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کا مزاج کلیۃً بدل چکا ہے لہذا اگر آج ہمیں اس نئے زمانے کے سامنے اسلام کی ابدی صداقت کا پیغام پہنچانا ہے تو پہلے سے مختلف زبان اختیار کرنا پڑے گی، اور اس کے تفکر کے مطابق نئے طریقوں سے اسلام کو اس کے دماغ میں پہنچانا پڑے گا۔

یہ لکھنے سے میری مراد یہ ہرگز نہیں کہ علوم اسلام کو بدلتے ہوئے زمانے کا غلام بنا دیا جائے

لیکن یہ ضرور چاہیں گے کہ عصر جدید کے ساتھ ایک معنوی موزونیت قائم کی جائے، اور وہ اس طرح کہ قرآن کو سائنس کی روشنی میں دیکھنے کے بجائے سائنس کو قرآن کی روشنی میں دیکھا جائے، قرآن کریم کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ وہ مذہبی کتابوں میں واحد کتاب ہے جس نے مشاہدے اور تجربے کو حقائق کے لئے ہیں دلائل کے طور پر پیش کیا ہے، اگر دینی درسگاہوں کے منہج تعلیم میں اس بات کو مدنظر رکھا جائے تو یقیناً بہت بڑا مسئلہ حل ہو سکتا ہے لیکن اس کے لئے نصاب کا تعین ایک اہم اور ٹھوس ضرورت ہے جسے طے کرنے کے لئے مسلم اور جید قدیم و جدید کے حسین امتزاج والے علماء کی ضرورت ہے۔ یہ موجودہ نصاب تعلیم تضیع اوقات ہی کا صرف سبب نہیں بلکہ مضرت رساں بھی ہے۔ آج اس نصاب تعلیم کو طلبہ پر زبردستی لادا جاتا ہے اور وہ مضامین جنھیں داخل نصاب ہونے کی وجہ سے طلبہ پڑھتے ہیں فی الحال اس سے کوئی رغبت نہیں ہوتی ایسی صورت میں جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ وہ فن نہیں صرف کتاب پڑھتے ہیں۔ (جاری)

(بقیہ سعید)

"کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں ہے؟"

"اس سے بہتر؟" "اس سے بہتر کیا چیز ہے؟" اہلیہ نے پوچھا،

"یہ رقم ہم اس کے پاس جمع کر دیں تو وہ ہم کو اس وقت واپس کر دے جب ہم اس کے زیادہ ضرورتمند ہوں"، حضرت سعیدؓ نے بات سمجھائی،

"اس کی کیا صورت ہوگی؟" اہلیہ نے وضاحت چاہی۔

حضرت سعیدؓ نے کہا کہ "ہم یہ رقم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیدیں"،

اہلیہ نے کہا: "ہاں یہ بہتر ہے، اللہ آپ کو جزائے خیر دے"،

پھر حضرت سعیدؓ نے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے ان تمام دیناروں کو بہت سی تھیلیوں میں رکھ کر اپنے گھر کے ایک آدمی سے کہا کہ "انھیں فلاں قبیلے کی بیواؤں، فلاں قبیلے کے یتیموں، فلاں قبیلے کے مسکینوں اور فلاں قبیلے کے حاجتمندوں میں تقسیم کر دو"۔

اللہ تعالیٰ حضرت سعید بن عامر جمحیؓ سے راضی ہو۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو خود محتاج اور ضرورتمند ہونے کے باوجود بھی اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔

ثاقب عباسی
۹۰۲ کشن گنج، تیلواڑہ، دہلی ۶

ایک صحابیؓ

(بہ زبانِ حال)

راہرو کو راہ کی دشواریاں کیا مسئلہ
صورتِ جوئے کہستاں سوئے منزل میں چلا
گرچہ سنگِ راہ بن کر پنجہ کش ہوتے رہے
غم مگر ہوتا مجھے کیا جب تھے میرِ کارواں
کیوں قدم میرے پھسلتے جب تھے میرے ہم سفر
غلبۂ دیں کے لئے بنتا رہا میں گردِ راہ
میرا ہر نقشِ قدم تاریخ تو لکھتا رہا
میں نے دیکھا مصر و روما کی بھی نظریں تھیں نگوں
جو بزعمِ خود چھپا رب کا تھا وہ بھی حریف
وادیاں آتی رہیں یوں ہی مہیب و پُر خطر
شمعِ حق کو میں نے بالآخر فروزاں ہی رکھا
لرزہ براندام میرے حوصلے کو دیکھ کر
کب تن آسانی کوئی پاتا ہے منزل کا سراغ
آخرش اک دن زمانہ یوں مرے قدموں میں تھکا

ہاں مگر ہو عزم زندہ اور محکم فیصلہ
دھیرے دھیرے، ہولے ہولے، مرحلہ با مرحلہ
کتنے طوفانِ حوادث، کتنے سیلابِ بلا
رہبرِ کامل محمد مصطفےٰ صلِ علیٰ
بوذرؓ و عمارؓ و سلمانؓ و بلالؓ و حنظلہؓ
اور آخر کیا تھا میری زندگی کا مشغلہ
راہ میں آتے رہے بدر و حنین و کربلا
شام و فارس کی جبینیں پُر شکن ہیں برملا
وہ بھی مارِ آستیں جو میرے گھر میں ہی پلا
پھر بھی کیا راہِ محبت سے قدم میرا ٹلا
کیسی ہی جاں پر بنی، کتنا ہی خونِ دل جلا
کوہ و دریا، شہر و ویرانہ نشانِ زلزلہ
سامنے وقت آنے پر زیرِ تیغ رکھا ہے گلا
میں رکا تو سب رکے جب میں چلا عالم چلا

آج بھی ثاقب مرا افسانہ ہر جا ثبت ہے
خاکداں ہو یا جہانِ ماہ و انجم یا خلا

اسرار احمد، دہلی

نصب العین

(۱) نصب العین کی تعریف:

نصب العین سے مراد مقصد یا مقصد کی سمت وہ علامت ہے جس کا واضح علم اس مقصد سے وابستہ افراد کو ہوتا ہے، یہ علامت نہ صرف یہ کہ نظر آتی ہے بلکہ کبھی بھی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتی۔ اس مقصد سے وابستہ افراد کے دلوں اور ان کی آنکھوں پر اسی کی جلوہ فرمائی ہوتی ہے گویا نصب العین روشنی کا ایسا ستون ہے جو اگرچہ دور مگر آنکھوں کے سامنے اور آنکھوں میں سمایا ہوا ہوتا ہے۔ یہی وہ شے ہے جس سے انسان اپنی راہ متعین کرتا ہے۔ صحیح راہ پر چلتے رہنے اور غلط راہ کی طرف نکل آنے کا اندازہ کرتا ہے، اسی سے اس کے دل میں اصلی مقصد تک پہنچنے کا احساس تازہ رہتا ہے، اسی سے اس کی رگوں میں گرمی اور زمانے کے نشیب و فراز اور رنج و الم کے باوجود لڑکھڑاتے قدموں کو تحریک ملتی ہے۔

اس کے برعکس نصب العین کے بغیر انسان کا مقصد یا تو نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے یا رفتہ رفتہ یادِ ماضی کی طرح اس کے نقوش دھندلانے شروع ہو جاتے ہیں۔ اور پھر یا تو انسان مقصدِ حقیقی تک پہنچ جانے کی راہ ہی گم کر دیتا ہے یا سرے سے اسے یہ احساس ہی نہیں رہتا کہ اس کی زندگی کا کوئی حقیقی مقصد ہے بھی یا نہیں۔

(۲) نصب العین اور تحریک:

نصب العین اور تحریک کے مابین وہی تعلق ہے جو مسافر اور اس کے سمتِ سفر کے مابین ہے۔ دنیا کی خواہ وہ کوئی بھی اور کیسی ہی تحریک ہو چاہے کہ حقانی تحریک اس کا نصب العین ہونا لازمی اور ناگزیر ہے۔ بغیر نصب العین کے دنیا میں کوئی تحریک نہ برپا ہوتی ہے نہ اس کے بغیر کسی تحریک کے وجود میں آنے کا تصور کیا جا سکتا ہے، اول تو کوئی تحریک بغیر نصب العین کے سرے سے وجود میں آ جائے اصولی اور منطقی طور پر محال ہے۔ پھر یہ کہ تحریک کے وجود پذیر ہونے کے بعد جو چیز ہر دم تحریک

میں سب سے زیادہ نمایاں اور ابھری ہوئی ہوتی ہے وہ اس کا نصب العین ہے۔ نہ صرف یہ کہ کوئی تحریک اپنا مخصوص نصب العین رکھتی ہو بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس تحریک سے وابستہ افراد اس نصب العین کا واضح تصور اور مضبوط شعور رکھتے ہوں بلکہ سچ بات تو یہ ہے کہ ایک طرف تو جہاں تحریک کے وجود پذیر ہونے کی لازمی شرط نصب العین ہے وہیں دوسری طرف اس کے وجود پذیر ہو جانے کے بعد افراد کی وابستگی کا سارا دارومدار اتحادِ نصب العین پر ہی ہوتا ہے۔

(۳) تحریک اور ادارے کے نصب العین کا اصولی اور اساسی فرق:

تحریک اور ادارہ دو بالکل مختلف وجود کے نام ہیں۔ دونوں میں اصولی اور طبعی فرق پایا جاتا ہے۔ دونوں میں مزاج کا وہی فرق پایا جاتا ہے جو آندھی اور بادِ صبا میں ہوتا ہے۔ دونوں میں اس قدر مغایرت پائی جاتی ہے کہ بیک وقت دونوں کا وجود اور ان میں موافقت اور مفاہمت تقریباً محال ہے۔

بنیادی طور پر تحریک اور ادارہ کا فرق دونوں کے مقصودِ وجود یعنی نصب العین میں پنہاں ہے بظاہر دونوں کے نصب العین میں اس قدر یکسانیت اور ہم آہنگی پائی جا سکتی ہے کہ عام حالات میں ان میں تفریق کرنا محال ہے مگر جب ان دونوں کی ہیئت ترکیبی کو سامنے رکھا جائے تو فرق واضح طور پر سامنے آ جاتا ہے۔ تحریک کے نصب العین کی روح کا رخ کسی عدم سے وجود میں آنے کی طرف ہوتا ہے اس کے بالکل برعکس کسی ادارے کے نصب العین کا رخ بنیادی طور پر موجود کے دوام و استقرار کی طرف ہوتا ہے۔ ظاہر ہے ان دونوں کا فرق اساسی اور طبعی ہے۔ ایک کی کوشش اس بات کی ہے کہ کوئی شے جو عدم میں ہے اسے پیراہنِ وجود بخشا جائے۔ اس کے لئے اسے اپنی ساری طاقت ایک مرکز پر مجتمع کرنے اور اس وجود کو منہدم کرنے جس کی جگہ اس کا نصب العین لے گا، اپنے مقصد کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔ وہ وجود اپنی پوری شدت سے پہلے سے موجود ہوتا ہے آسانی سے کسی دوسرے وجود کے لئے اپنی جگہ خالی نہیں کرتا، اور نہ ہی وہ نصب العین جو اس وقت بظاہر عدم میں ہوتا ہے اس کے لئے تیار ہوتا ہے کہ اس ناپاک وجود کے ساتھ کوئی موافقت و رفاقت ہو۔

اس کے برخلاف ادارہ کی کوشش موجود کے دوام کی اور اس میں زیادہ سے زیادہ جلا پیدا

کرنے کی ہوتی ہے۔ اس کی ساری طاقت موجود نظام کے استحکام اور اسی قوتوں کے تحفظ میں صرف ہوتی ہے جس سے اس وجود کے موجود کو دوام و استحکام حاصل ہو۔ بلکہ غور کیا جائے تو تحریک اور ادارہ تقریباً آمنے سامنے ہوتے ہیں۔

یہیں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کسی ایسے نصب العین کے حصول کے لئے جو موجود کی بجائے معدوم ہو صرف تحریک ہی کارگر ہوتی ہے۔ کسی ادارے کے ذریعہ اس کا حصول محال ہے۔

(۴) نصب العین کی تحلیل نفسی

ا۔ نصب العین کی ضرورت:۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی تحریک کے لئے نصب العین ضروری ہے؟ کیا نصب العین کے بغیر مقصد حقیقی کا حصول ممکن نہیں؟ کیا ان تحریکاتِ اسلامی میں جن کی بنیاد انبیاء علیہم السلام والمرسلین نے فرمائی ہے اس طرح کے کسی نصب العین کا وجود پایا جاتا تھا؟ یہ اور اس طرح کے کئی سوالات ہیں جن کا ذہنوں میں پیدا ہونا بعید از امکان نہیں۔

جہاں تک پہلے سوال کا معاملہ ہے تو اس سلسلے میں یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ تحریک کے لئے نصب العین کا ہونا نہ صرف ضروری بلکہ ناگزیر ہے بلکہ سچی بات تو یہی ہے کہ نصب العین کا اتحاد ہی تحریک کے برپا ہونے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ نصب العین کسی تحریک کی بنیادی اور اساسی شے ہے، کسی حال میں اس سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ نصب العین تحریک کے مقصدِ حقیقی تک وسائل کو یقینی بنانے والی شے کا نام ہے۔ بہت گہرائی سے غور کرنے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ نصب العین ہی ہے جو منادہ قوت ہے، سرچشمہ قوت ہے۔ نصب العین کا وجود ہی تحریک کو تحریک بناتا ہے۔ اس سے وابستہ افراد اسی کی گرمی سے اپنے دلوں کو گرم رکھتے ہیں، اس کی یاد انھیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ اس کی ایک جھلک انھیں تھکے ہونے کے باوجود افتاں وخیزاں ہی سہی آگے کی طرف لے جاتی ہے۔ تحریک اپنی حیات کے کسی مرحلے میں اپنے نصب العین کے معاملے میں نہ کمزوری دکھاتی ہے نہ مداہنت کرتی ہے نہ ابہام کو در آنے دیتی ہے نہ کل کے بجائے مرحلہ وار قسم کا کوئی نصب العین مقرر کرتی ہے۔ سخت سے سخت حالات میں بھی اپنے نصب العین پر کوئی آنچ آنے نہیں دیتی۔ اپنی پوری حیات میں ایک لمحے کے لئے بھی اس کے کسی فرد کے دل میں اپنے نصب العین کے سلسلے میں شبہ لاحق نہیں ہوتا۔ نہ کبھی محض ایک لمحے کے لئے ہی سہی تحریک اپنے

نصب العین کے بر ملا اعلان، اور بلا کم و کاست اور بے دھڑک اظہار سے ہچکچاتی ہے۔ تحریک اور نصب العین کی کامیابی کی پہلی اور آخری شرط یہ ہے کہ بظاہر مکمل ناکامی کی صورت میں بھی تحریک کا ایک ایک فرد خواہ ان کی تعداد کروڑوں تک ہی کیوں نہ پہنچی ہوئی ہو، جان دے دے کر بک جانے کے لئے بھی اپنے نصب العین کے معاملہ میں کسی قسم کا سمجھوتہ نہ کرے نہ ہی اس کے کسی فرد کے دل میں اس سلسلے میں کوئی اشتباہ گزرے۔ نصب العین کے معاملے میں یہ بات بھی اہم ہے کہ تحریک کے اندر نصب العین کی جزئیات میں اختلاف تو بڑی بات اس کی تفصیلات میں بھی اختلاف پایا جانا محال ہے۔ اور یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ جس تحریک میں یہ بات پائی جائے وہ تحریک خواہ بدن کے اعتبار سے زندہ ہو لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ تحریک مر چکی۔ اور تاریخ انسانی میں ایک مثال بھی ایسی نہیں مل سکتی کہ ایسی تحریک کبھی کامیاب ہوئی ہو۔

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے تو پہلے سوال کے جواب سے یہ بات سامنے آ چکی ہے کہ نصب العین کے بغیر کسی تحریک کا وجود ہی ممکن نہیں۔

اب جہاں تک تیسرے اور آخری سوال کا معاملہ ہے تو اس کا جواب اثبات میں ہے یقیناً انبیاء علیہم السلام والتسلیمات نے اپنے اپنے زمانے میں جس اسلامی تحریک کی قیادت فرمائی اس میں نصب العین تھا اور تحریکات کی تاریخ میں ان کی بہترین مثالیں انہیں حضرات انبیاء کرام کے یہاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ سر دست ہم ان کی تفصیلات میں جانے سے گریز کرتے ہوئے اصل معاملے کی طرف آتے ہیں۔ انشاء اللہ آئندہ اس سلسلے میں عرض کرنے کی کوشش کروں گا۔

نصب العین تحریک کی عمارت کا دو ستونوں میں سے ایک ہونے کے ساتھ ساتھ نفسیاتی محرکات کے دو منابع میں سے ایک ہے بلکہ زیادہ قوی بات یہ ہے کہ پوری تحریک اپنی حیات کے ہر دور میں جن دو ستونوں پر کھڑی ہوتی ہے جس کے باقی رہنے سے باقی رہتی ہے اور جس کے منہدم ہونے سے منہدم ہو جاتی ہے ان میں ایک نصب العین ہے۔

(۳) تحریکی عمارت کا دوسرا ستون۔

تحریکی عمارت کا دوسرا ستون اور نفسیاتی محرکات کے دو منابع میں سے ایک قائد ہوتا ہے نصب العین اگر ان اشیاء کا نقطۂ اتحاد ہے جو ماورائے انسان ہیں تو دوسری طرف قائد ان

اشیاء کا نقطۂ اتحاد ہے جو انسانی اور معاشرتی ہیں۔ جس طرح واضح نصب العین اور اس سے پوری وابستگی تحریک کے لئے ناگزیر ہے اسی طرح واضح اور صحیح قیادت اور اس سے پوری وابستگی اور اس کی پوری اطاعت بھی ناگزیر ہے۔ غیر واضح، مبہم، مرحلہ وار، اختلافی نصب العین جس طرح تحریک کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے اسی طرح غیر واضح، مبہم، تدریجی، اور اختلافی قائد یا قیادت تحریک کو زندہ درست مردہ بنا ڈالتی ہے، یہاں تحریک میں قائد کی حیثیت کے تمام پہلوؤں سے چونکہ ہمیں سروکار نہیں ہے لہذا ہم نے اس پہلو کا ذکر کرنا ضروری جانا ہے جو نصب العین اور قائد کے تعامل سے تعلق رکھتا ہے، انشاء اللہ قائد کی حیثیت سے آئندہ بحث کی جائے گی۔

(۴) خلوص اور نصب العین:۔

خلوص دل کی مخصوص کیفیت کا نام ہے۔ اپنے نصب العین کا واضح شعور، اس سے پوری اور مکمل وابستگی، اور ہر دم اس کا استحضار خلوص کہلاتا ہے۔ دل کی اسی کیفیت کا نام خلوص ہے اور جس کا دل ان کیفیات سے مملو ہے وہی دراصل مخلص ہے۔ کسی تحریک کی حیات اس کے ارتقاء اور اپنے نصب العین تک پہنچنے کی اہم ترین شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ اس تحریک سے وابستہ تمام افراد اپنے نصب العین کا اسی طرح واضح شعور رکھتے ہوں جس طرح اپنی ہتھیلی کا۔ اس سلسلے میں ان کے قلوب میں کوئی ابہام کوئی شبہ نہ پایا جاتا ہو۔ ان کے خلوص میں کسی شبہ نے گھر نہ کر رکھا ہو پھر اس نصب العین کے مکمل طور پر انہیں ایسا اطمینان اور سکون حاصل ہو کہ وہ اس سے اپنی پوری وابستگی محسوس کریں۔ یہ وابستگی ان کے رگ و پے میں خون سے بڑھ کر گردش کر رہی ہو۔ ان کا سارا جسم ان کے جسم کے سارے اعضاء ان کی روح اس سے وابستگی کی شہادت دے رہے ہوں اور ان کی کیفیت اپنے نصب العین سے اسی طرح ہو جس طرح شیر خوار بچہ اپنی ماں کی آغوش سے چمٹا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ سوتے میں بھی اس کی گرفت پوری طرح مضبوط ہوتی ہے اور ذرا سی حرکت پر بھی کہ ماں اس سے الگ ہو رہی ہو وہ رونا شروع کر دیتا ہے اور اس وقت تک چین نہیں لیتا جب تک وہ آغوش پھر نصیب نہیں ہو جاتی۔ بلکہ نصب العین سے وابستگی اس سے ہزار درجہ زیادہ ہونی چاہئے بچے کی زندگی میں تو خوشنما کھلونے اور نیند کوئی معنی بھی رکھتے ہیں لیکن تحریکی انسان کی زندگی میں یہ کھلونے کوئی معنی سرے سے رکھتے ہی نہیں، اسی طرح محض انہیں اپنے

نصب العین کا واضح شعور اور اس سے مکمل وابستگی بھی نہو بلکہ ہمہ وقت اسی کا استحضار ہو۔ ان کی پوری زندگی ان کے قلوب اور اعصاب اسی کے ذکر میں غرق ہوں۔ بلکہ اس ذکر کے سوا اور کوئی یاد باقی نہ رہ جائے۔ ان کے سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے حتی کہ مرنے کی آخری گھڑی میں بھی اسی کی یاد آئے۔ جب دل کی کیفیت اور جسم وجان کی شہادت اس درجے پر پہنچ جائے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ شخص مخلص ہے اور یہ بھی تحریک کا ابتدائی درجہ ہے۔

(۵) للہیت اور نصب العین۔

خلوص کی طرح للہیت بھی دل کی مخصوص کیفیت کا نام ہے۔ نصب العین سے کسی کی مکمل وابستگی اور ہمہ وقت استحضار کے نتیجے میں جب کوئی عمل صادر ہوتا ہے اور اس کا مقصد محض اللہ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنا ہو تو یہ للہیت ہے۔

کسی تحریک کی کامیابی کے شرائط میں دوسری اہم ترین شرط ہے، اس کے بغیر کوئی تحریک منافقین کا مجموعہ بن کر رہ جاتی ہے۔

مندرجہ بالا نکات کے سامنے آجانے کے بعد یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ کسی تحریک میں نصب العین، قائد، خلوص اور للہیت کا تعامل کس طرح اسے اپنے مقاصد کے حصول کا اہل ثابت کرتا ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ نصب العین کا واضح شعور، نصب العین اور قائد سے مکمل وابستگی اور للہیت کس طرح تحریک کی حیات اور اس کی کامیابی میں مدد دیتی ہے۔ ان باتوں کو مندرجہ ذیل نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ یہاں ذکر نصب العین کے ذیل میں ہو رہا ہے لہٰذا بیان کا بنیادی پہلو نصب العین ہی ہو گا۔

(۱) سمت سفر

نصب العین کے واضح شعور، اس سے مکمل اور پوری وابستگی اور اس کا ہمہ وقت استحضار سے جس چیز میں سب سے زیادہ مدد ملتی ہے وہ سمت سفر کا تعین ہے۔

تحریک اسلامی کو مدت سفر سے بحث نہیں ہوتی ہاں اسے اگر فکر ہوتی ہے تو سمت سفر کی فکر ہوتی ہے، اسے اس سے کوئی مطلب نہیں کہ اس راہ میں کتنے برس یا کتنے سو برس چلنا پڑا ہے

اور وہ بھی اس حال میں کہ نصب العین تک رسائی کی راہ صدیوں تک نظر نہیں آ رہی ہے اسے مطلب ہوتا ہے تو صرف اس بات سے اس کا یہ سفر جو خواہ کتنی ہی مدت والا کیوں نہ رہے، صحیح سمت میں جاری ہے یا نہیں۔ اسی طرح تحریک اسلامی کو اس سے کوئی بحث نہیں ہوتی کہ اس راہ پر چلنے والے انھیں کتنی جانیں کھپانی پڑی ہیں اور کتنی دولت لٹانی پڑی ہے کتنا نقصان ان سے پہنچ گیا اور انھیں کن کن چیزوں سے محروم کر دیا گیا۔ اسے اس کی بھی پروا نہیں ہوتی کہ اس کا ایک ایک فرد خواہ ان کی تعداد کروڑوں تک ہی کیوں نہ جا پہنچی ہو اسی راہ میں اپنی جان گنوا بیٹھے اور بظاہر روشنی اور نصب العین کے حصول کی راہ لاکھوں میل دور نظر آ رہی ہو۔ نہ اسے اس بات سے بحث ہوتی ہے کہ اتنے جان و مال کے مرنے کے باوجود انھیں کیا حاصل ہوا تحریک کی کیا بات ہوئی بلکہ اس کے برخلاف اگر کسی بات سے تحریک اسلامی کو بحث ہوتی ہے تو صرف اس بات سے کہ وہ ایک ہی جان یا ایک پیسے کا صرف ہی کیوں نہ ہو وہ راہ حق میں گیا یا نہیں، وہ صحیح طور پر اس راہ میں خرچ کیا گیا یا نہیں جو نصب العین تک پہنچنے کی صحیح راہ ہے۔

اور ان باتوں کا یقین جس چیز سے ہو سکتا ہے وہ نصب العین ہے۔ یہی نصب العین اور اس کا واضح اور غیر مبہم شعور اس راہ کی میزان ہے۔ اسی سے صحیح راہ کا علم ہوتا ہے اور غلط راہ کا اندازہ ہوتا ہے اور پورے تحریکی قافلے کی سمت سفر اسی سے درست کی جا سکتی ہے۔

(۲) اجتماع قوی Accumulation of potentiality

تحریک اسلامی کا نصب العین صرف ایک ہوتا ہے۔ تحریک اسلامی کا ایک سے زیادہ نصب العین پایا جانا محال ہے۔ تحریک اپنی طاقت خواہ وہ اشخاص کی شکل میں ہو یا مال اور اوقات کی شکل میں کا تھوڑا سا حصہ بھی اپنے نصب العین کے علاوہ کسی دوسرے مد پر ہرگز صرف نہیں کرتی ہے، دوسری طرف وہ اپنی طاقت کے تھوڑے سے حصے کو بھی اپنے نصب العین کی راہ میں لگانے سے بچا نہیں رکھتی۔ ظاہر سی بات ہے کہ یہ صورت صرف نصب العین کے واضح شعور اس سے مکمل وابستگی اور ہمہ وقت اس کے استحضار سے ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس طرح نصب العین کا دوسرا بنیادی کام یہ ہوتا ہے کہ اس سے کوئی تحریک اپنی طاقت کا اجتماع کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

(۴) قوتوں سے بھرپور استفادہ

چونکہ نصب العین کے واضح شعور اور اس کے ایک ہونے سے ایک طرف تو تحریک کے اندر اطمینان پایا جاتا ہے تو دوسری طرف اس کی قوتوں سے خواہ وہ مقدار میں تھوڑی ہی کیوں نہ ہو ایک نقطہ پر بھرپور طریقے سے استعمال ہونے کی وجہ سے بے پایاں اثرات اور دوررس نتائج حاصل ہوتے ہیں، اور تحریک بظاہر چھوٹی اور بے مایہ ہونے کے باوجود بڑے بڑے اور دیرپا کام انجام دے لیتی ہے۔

(۵) نصب العین کا تعین

تحریک اسلامی کی ابتدا اس وقت تک نہیں ہو سکتی ہے جب تک اس بات کا تعین نہ ہو جائے کہ اس کا نصب العین کیا ہے۔ اول تو اس کا وجود ہی بے معنی ہوگا، اگر اس عمارت کی پہلی اینٹ یعنی نصب العین کی جگہ خالی رہی۔ دوم یہ کہ وہ تحریک اسلامی   کہلائے گی ہی نہیں اس لئے کہ نصب العین ہی نہ صرف یہ کہ اس کے منزل کا تعین کرتا ہے بلکہ اس کے سمت سفر کی نشاندہی کر کے اسے اسلامی اور غیر اسلامی میں سے کسی ایک خانے میں ڈال دیتا ہے۔ تیسری بات یہ کہ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ بغیر نصب العین کے کوئی اسلامی تحریک برپا کر ڈالی بھی گئی تو باطل اسے ایک لمحے کے لئے بھی مہلت نہیں دے گا کہ وہ کوئی ایسا نصب العین مقرر کرے جو اسلامی ہو یعنی خلاف باطل ہو۔ صورت واقعہ تو یہ ہے کہ ایسی تحریکات اسلامی جو صحیح ترین نصب العین لے کر اور کسی اور کی بجائے انبیاء علیہم السلام والتسلیم کی قیادت میں برپا ہوئیں ان پر باطل کی پہلی ضرب اس بات کے لئے بھی رہی اور اس کی ساری مکاریاں اور چالبازیاں اس مقصد کے حصول کے لئے تھیں کہ تحریک اسلامی کسی درجے میں بھی اپنے نصب العین سے ہٹ جائے۔ لہذا یہ بات ناگزیر ہے کہ تحریک کی ابتدا ہی نصب العین کے تعین سے ہو، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تحریک اسلامی کے لئے نصب العین کے ناگزیر ہونے کا یہ مقام ہو تو کیا اس کا اہتمام ان تحریکات اسلامی میں کیا گیا جن کی قیادت انبیاء علیہم السلام والتسلیم نے فرمائی اور کیا آج اس کے لئے کوئی دلیل کتاب وسنت میں ملتی ہے تو اس کا جواب یقیناً اثبات میں ہے۔ بلاشبہ انبیاء علیہم السلام والتسلیم کے ہاں اس کا پورا پورا اہتمام کیا گیا اور قرآن وسنت بھی ان جزئیات اور تفصیلات

سے صرف نظر نہیں کر

پھر اس زمانے میں جب انبیاء علیہم السلام والتسلیم اس زمین پر مبعوث ہو رہے تھے اور آج کے زمانے میں جب کہ یہ سلسلہ منقطع ہو چکا ہے ایک فرق واقع ہوا ہے۔ انبیاء علیہم السلام والتسلیم کے عہد میں ان کی قیادت میں برپا کی جانے والی تحریکات اسلامی میں اپنے عہد کے لحاظ سے نصب العین کا تعین خود اللہ رب العزت فرماتا تھا خواہ وہ وحی متلو کی شکل میں ہو یا غیر متلو کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل ہو جسے محض القا کہا جاتا ہے۔ جبکہ آج ہمارے پاس قرآن وسنت کے علاوہ کوئی اور معتبر ذریعہ علم باقی نہیں رہ گیا ہے۔ ہاں یہ بات بالکل درست ہے کہ اب قیامت تک کے لئے قرآن وسنت تا ابد انسان کی ہدایت کے لئے کافی ہیں اور ہمیں کسی اور ذریعہ کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ لہذا جو بنیادی فرق آج واقع ہوا ہے وہ یہ   کہ ہمیں تحریک اسلامی کے نصب العین کا تعین بھی قرآن وسنت کی روشنی میں   کرنا ہوگا۔

(۶) نصب العین کے تعین کے شرائط

تحریک اسلامی میں نصب العین کی اہمیت کے پیش نظر اور حضرات انبیاء علیہم السلام والتسلیم کی بنفس نفیس بعثت کے بغیر آج اہل اسلام کے لئے یہ سخت آزمائش کی گھڑی ہے کہ وہ نصب العین کا تعین کریں اور قیامت سے قبل جب جب اور جہاں جہاں تحریک اسلامی کے برپا ہونے کی ضرورت ہوگی انہیں اس کڑی آزمائش سے گزرنا ہوگا۔ صحیح نصب العین کا تعین اور اس کا اعلان بجائے خود ایک آگ کے دریا سے گزرنا ہے چہ جائے کہ اس کے حصول کی کوشش اور عملاً اس کا حصول، ہم کسی حال میں بھی اس سے صرف نظر نہیں کر سکتے۔ اب ہمارے لئے قرآن وسنت کی فراہم کردہ روشنی میں یہ معلوم کرنا ہے کہ نصب العین کی شرائط کیا کیا ہو سکتی ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) کتاب اللہ سے مکمل ہم آہنگی۔

تحریک اسلامی کے نصب العین کی کتاب اللہ یعنی قرآن سے مکمل ہم آہنگی ہونی لازمی شرط ہے۔ یہ ہم آہنگی نہ صرف مجملات میں ہو بلکہ تفصیلات میں بھی ہونی لازمی ہے۔ جب مجملات اور تفصیلات کی گفتگو اٹھائی جاتی ہے تو بعض حضرات کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ ایسی تکنیکی باتیں قرآن میں کہاں ہیں اور یہ کہ وہ از خود اپنے کو قرآن سے آزاد سمجھنے لگتے ہیں، یہ ایک سخت غلط فہمی ہے، قرآن دیکھ لیجئے کہ

کی نوعیت کی کوئی کتاب نہیں جس میں ہر بات کی تفصیل دی گئی ہو ہاں اس نے کسی اصول کے حدود ابعاد متعین کر دیے ہیں۔ اتنی تفصیل دکھائی ہے کہ اگر ان کا لحاظ رکھا جائے تو اس کی تفصیلات میں گنجائش ہی باقی نہیں رہتی کہ حدود اللہ سے کوئی باہر قدم نکال سکے۔ ہاں جب ہم محض اپنی لا اصلی یا کسی غیر صالح جذبے کے تحت قرآن میں نظر ڈالتے ہیں تو یہ کہہ کر کہ قرآن میں تفصیلات کہاں بتائی گئی ہیں دراصل اس کے حدود و ابعاد کا قلادہ اپنی گردن سے اتار کر پھینکنے کی کوشش کرتے ہیں جو ہماری راہ میں حائل ہوتا ہے۔

(۲) سنت ثابتہ سے مکمل ہم آہنگی

تحریک اسلامی کے نصب العین کی سنت ثابتہ سے مکمل ہم آہنگی ہونی لازمی شرط ہے۔ یہ سنت ثابتہ قرآن کی عملی شکل بھی ہوتی ہے اور اس کی تصدیق بھی۔ ساتھ ہی ساتھ یہ کسی تحریک اسلامی کے لیے [illegible] چیزوں فراہم کرنے کا کام دیتے ہیں۔ میری ناقص رائے میں قرآن و سنت ثابتہ میں اتنی تفصیل آ گئی ہے کہ وہ ہماری رہنمائی کے لیے کافی ہیں اور میں اس بات کو وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ جو حضرات قرآن و سنت ثابتہ کے ذخیرے کو ناکافی سمجھ کر نئے گھوڑے دوڑاتے ہیں یا تو انھیں قرآن و سنت کی ہوا نہیں لگی یا وہ قرآن و سنت سے کسی وجہ سے سامنا کرنے کی ضرورت نہیں رکھتے۔

مندرجہ بالا دو بنیادی باتوں کے ذیل میں کم از کم تین ایسے نکات ہیں جن کا لحاظ رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ ان سے نصب العین کے تعین میں مدد ملتی ہے۔ "جاری"

(بقیہ اتباع رسول)

۲۶ صحیح مسلم، الجزء الثانی، کتاب الفضائل، باب علمہ صلی اللہ علیہ وسلم باللہ تعالیٰ وشدۃ خشیتہ معنوی فرق ہے۔ یہ حدیث صحیح البخاری، الجزء الاول، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا اعلمکم باللہ میں آئی ہے۔

۲۷ سنن ابی داؤد، مشکوۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

۲۸ موطا امام مالک، مشکوۃ المصابیح، باب الاعتصام بالسنۃ

۲۹ سنن ابی داؤد، ابو داؤد سلیمان بن اشعث (متوفی ۲۷۵ھ)، الجزء الثانی، باب فی لزوم السنۃ

مولانا ابو سلمیٰ عارف فلاحی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

یہ منقبت بزم فاروقیہ امروہہ کے سالانہ طرحی منقبتی مشاعرہ کے لیے مندرجہ ذیل مصرعہ طرح پر کہی گئی ہے — محسن اقوام عالم بے گماں فاروق ہیں

دین حق کے پاسبان و ترجماں فاروق ہیں — رہروان حق کی منزل کا نشاں فاروق ہیں
ان سے پایا بھٹکے رہرووں نے راستہ — تیرگی شب میں ماہ ضو فشاں فاروق ہیں
حق تعالیٰ نے بھی ان کی رائے کی تصویب کی — حکمت و عرفاں کے بحر بیکراں فاروق ہیں
لشکر کفر و دیر ان کو ملی فتح مبین — راہ میں شیطان کے سنگ گراں فاروق ہیں
ہو گیا خاشاک غیر اللہ خاکستر تمام — خرمن طاغوت پر برق تپاں فاروق ہیں
کس قدر شاداب و خنداں ہے گلستان خلیل — اس گلستاں کی بہار بے خزاں فاروق ہیں
ہے مقام ان کا جنت اہل وفا کی بزم میں — اس مبارک بزم کی روح رواں فاروق ہیں
ان کا عدل و قسط ہے ضرب المثل تاریخ میں — اہل عالم کے دلوں پر حکمراں فاروق ہیں
ہے نہیں اپنے پرائے کا ذرا بھی امتیاز — حق شعار و حق شناس و حق بیاں فاروق ہیں
ہے نہیں ان کے یہاں دین و سیاست میں تمیز — شب گدا روز زاہد و کشورستاں فاروق ہیں
سر گروہ ملت بیضا ہے سب پر عیاں — "محسن اقوام عالم بے گماں فاروق ہیں"
قدرداں ابوبکر بھی ہیں حیدر بھی ہیں حسنین بھی — رحمۃ للعالمین کے رازداں فاروق ہیں

کیا لکھو گے مدح عارف حضرت فاروق کی
مقتدائے اتقیا و عارفاں فاروق ہیں

کویت کے عربی مجلہ "المجتمع" سے ماخوذ ایک فکر انگیز مقالہ

ابو عبد اللہ باحص

عالمِ اسلام کے مسائل اور ترجیحات

ترکی کے ممتاز رہنما ڈاکٹر نجم الدین اربکان اپنے سیر حاصل جائزے میں مسلم دنیا کے اتحاد اور ترقی کی ٹھوس تجاویز پیش کرتے ہیں۔

ہم بیسویں صدی میں زندگی بسر کر رہے ہیں جس میں عالم اسلام میں بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی ہے اور وہ غنودگی سے بیدار ہو کر کروٹیں بدل رہا ہے۔ ہم اس صدی کو چار حصوں یا چار دوروں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلا دور یہ جنگ و جدال کا زمانہ ہے جو پچیس سالوں پر پھیلا ہوا ہے اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ بیسویں صدی کے آغاز میں جب سلطان عبدالحمید نے حجاز ریلوے کی تعمیر کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا تو ہم دیکھتے ہیں کہ یورپی ملکوں نے ایک وفد بھیجا تاکہ یہ مشاہدہ کر سکے کہ کیا اس ریلوے لائن کی تعمیر کا کام ہمارے انجینئر کر رہے ہیں یا ان کے علاوہ دوسرے لوگ ہیں اور صرف ان کو اس میدان میں مسلمانوں کی کامیابیوں کا پتہ چل جانے کے بعد انھوں نے ہمیں ذرہ بھر مہلت نہ دی کہ ہم مزید تجربے کا اپنے نمایاں سرانجام دے سکیں اور انھوں نے عثمانی مملکت پر حملے کے منصوبے بنا لئے اور انگریز سب سے پہلے ۱۹۰۴ء میں عکا کی بندرگاہ پر اپنے تمام لشکروں اور بحری بیڑوں کے ساتھ لنگر انداز ہو گئے۔ ان کی اس فوجی یلغار کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ اسرائیل کے نام سے ایک نئے ملک کو قائم کر سکیں تاکہ عالم اسلام کے امن کو تباہ کیا جا سکے اور اس کی ترقی اور سربلندی کی راہ میں روڑے اٹکائے جا سکیں لیکن انگریزوں کا یہ حملہ ناکام ہو گیا کیونکہ عثمانی لشکر جس کی قیادت محمد پاشا کر رہے تھے نے انگریزی فوجوں کو واپس سمندر میں دھکیل دیا۔

اس فوجی ناکامی کے بعد انگریزوں نے اپنی حکمت عملی کو تبدیل کر دیا کیونکہ ان کے دلوں پر عثمانی سلطنت کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ انھوں نے سلطنت عثمانیہ کو اندر سے کھوکھلا کرنے کی حکمت عملی کو اپنا لیا۔ ان کی اس پالیسی کے مطابق پہلی ترقی پسند کانفرنس کا انعقاد ۱۹۰۵ء میں سلانیک میں ہوا۔ ایک طرف تو اتحاد اور ترقی نامی پارٹی کی بنیاد رکھی گئی اور دوسری جانب جیش الحرکہ یعنی ترقی پسند فوج کو تیار کیا گیا اور سب جانتے ہیں کہ اتحاد و ترقی نامی پارٹی نے سلطنت عثمانیہ کے دور میں اس وقت اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا جب جیش الحرکہ نے

سلطان عبدالحمید کو بے بس کر دیا۔ یہ کھیل جو سلطنت عثمانیہ کے اندر کھیلا گیا اور جس کے پیچھے بیرونی سازشیں کارفرما تھیں اور وہ اس کی پشت پناہی کر رہی تھیں اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ سلطنت عثمانیہ جو سات صدیوں تک سربلند رہی تھی صرف سات سال کے اندر قلیل عرصے میں بکھر کر چھوٹے چھوٹے اجزاء میں تبدیل ہو گئی۔

پھر اس کے بعد کیا ہوا جو پارٹی برسر اقتدار آئی تھی اس کی قیادت یورپ کی ذہنی غلامی میں مبتلا تھی اور اس نے تو نام اتحاد رکھا ہوا تھا لیکن اس کو اقتدار ملتے ہی اس نے طرابلس اور لیبیا کو اٹلی والوں کے لئے ایک مرغوب لقمے اور تحفے کے طور پر پیش کر دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس پارٹی نے بلقانی شہریوں کو جو سلطنت عثمانیہ میں عیسائی عناصر کی نمائندگی کرتے تھے اس بات کی ترغیب دی کہ وہ بھی آزادی حاصل کر لیں۔ اور اس کے ساتھ ہی سلطنت عثمانیہ کی وحدت بھی پاش پاش ہو گئی اور بلقان کی جنگ شروع ہو گئی جس کے بعد طرابلس کی جنگ چھڑ گئی اور پھر اس جنگ کے بعد خود ہماری قوم کو مجبوری و بے کسی کی حالت میں آزادی کی جنگ لڑنا پڑی اور جب ۱۹۲۳ء کا سال آیا تو اس صدی کی پہلی چوتھائی ختم ہونے کو تھی جو تمام کی تمام جنگ و جدال سے بھری تھی۔

اگر ہم ۱۹۲۵ء سے لے کر ۱۹۵۰ء تک کے دنیا کے نقشے کو اپنے سامنے رکھیں تو ہم دیکھیں گے کہ پوری اسلامی دنیا میں سے کسی ملک کو بھی آزادی حاصل نہیں تھی سوائے تین ممالک کے جن میں ترکی، افغانستان اور سعودی عرب شامل ہیں۔ جہاں تک باقی اسلامی ملکوں کا تعلق ہے تو وہ سب کے سب بیرونی استعمار کے زیر تسلط آ چکے تھے۔

دوسرا دور یہ زمانہ اس صدی کے پچیسویں سال سے شروع ہوتا ہے اور یہ زمانہ اس بیرونی تسلط کے سامنے خود سپردگی اور کسمپرسی کا زمانہ ہے جو کہ ایک غیر ممالک نے اسلامی ممالک پر قائم کر لیا تھا اس لئے ان بیرونی طاقتوں نے آزاد اسلامی ممالک کے عوام کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے تو زیادہ کچھ نہ کیا لیکن انہی بیرونی طاقتوں نے اپنے زیر دست اسلامی ممالک کے عوام کو پوری طرح اسلام سے دور کر دینے کی کوششیں کیں لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسی زمانے میں ہی اسلامی امت نے دوسری جنگ عظیم کے بعد یکے بعد دیگرے آزادی حاصل کرنا شروع کر دی۔

تیسرا دور یہ اس صدی کی تیسری چوتھائی ہے اور یہ آزادی حاصل کرنے کا زمانہ ہے۔ دنیائے اسلام کہ اگر ہم دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد کے پچیس سال کو اس کے متعدد ممالک کی آزادی کا دور شمار کر سکتے

ہیں اور دنیائے اسلام کا ایک ایک ملک آزادی حاصل کرتا گیا۔ تا آنکہ آج دنیا پر پچپن آزاد اسلامی ممالک صرف وجود میں آچکے ہیں لیکن ابھی تک تقریباً بیس اسلامی علاقے استعمار و استبداد کے قابو میں ہیں۔

(چوتھا دور) یہ دور اس صدی کی چوتھی چوتھائی ہے اور اس دور کو ہم اخوت و تعاون کا دور کہہ سکتے ہیں۔

اسلامی ممالک کو اقوام متحدہ کی طرز پر ایک عالمی فورم خود تشکیل دینا ہوگی

اور یہ وہ دور ہے جس سے ہم ابھی تک گذر رہے ہیں۔ اب ہم بیسویں صدی کے آخری پچیس سالوں کے دور میں ہیں اور اس دور کا تاریخی اقدام وہ ہے جو سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فیصلؒ نے ۱۹۶۹ء میں دنیائے اسلام کو ایک وحدت کی شکل دینے کے لئے رابطہ عالم اسلامی کے قیام کی صورت میں اٹھایا اور جس نے ازاں بعد جاکر موتمر العالم الاسلامی (اسلامی چوٹی کانفرنس) کا انعقاد کیا۔ اور جیسا کہ ہر ایک پر واضح ہے کہ اس صدی کے ان آخری پچیس سالوں کے دور میں اسلامی ممالک بڑی گرمجوشی سے اپنے تعلقات استوار کر رہے ہیں اور تمام میدانوں میں ایک دوسرے سے تعاون کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں ہم دیکھتے ہیں کہ ترکی نے بھی تمام اسلامی ممالک سے بھائی چارے کے تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور ان کے ساتھ اپنے تعلقات کو ہمیشہ مضبوط کر رہا ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ یہ تدریجی ارتقائی عمل اپنی ڈگر پر رواں دواں ہے۔ اگرچہ حکومتیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں اور خواہ کوئی حکومت اس میں دلچسپی لے یا نہ لے یہ عمل جاری و ساری ہے اور تعلقات میں ترقی کے اس عمل سے بالفعل ثمرات حاصل ہوں گے اور اسی طرح آج عالم اسلامی نے اس سے پہلے ادوار کی نسبت زیادہ وضاحت سے اسلام کی حقیقت کو پہچان لیا ہے۔ اور دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ دنیائے اسلام کے تمام ممالک باستثنائے چند آپس میں تعلقات کی بہتری کے لئے سرگرم ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ اس نئے دور میں دنیائے اسلام کو چار بنیادی اقدامات سے بہت زیادہ فوائد ہوں گے۔ ان چار اقدامات کو ہم مختصراً بیان کر رہے ہیں۔

اسلامی ممالک کی اپنی اقوام متحدہ کا قیام

موجودہ طور پر قائم شدہ اقوام متحدہ کی سب سے پہلی قرارداد وہ تھی جس کے مطابق اسرائیل قائم ہوگیا۔ یہ وہ اقوام متحدہ ہے جس نے اپنے کام کا آغاز ہی میں لاکھوں مسلمان فلسطینیوں کو ان کے گھروں اور ان کے کھیتوں سے محروم کر دیا اور فلسطینیوں کے گھر بار کر ان کی جگہ مختلف مقامات سے لاکر یہودی لوگوں کو آباد کر دیا اور ان اجنبی لوگوں کو بین عالم اسلامی کے درمیان میں فلسطینیوں کی جگہ لاکر اس طرح بسایا کہ وہ پورے

عالم اسلامی کے لئے اضطراب و بے چینی کا سبب بن گئے۔

اس اقوام متحدہ نے گذشتہ تیس سال میں حقیقت دنیائے اسلام کے مسائل کے حل کے خلاف صیہونی منصوبہ کا ساتھ دیا ہے۔ اور اسی پر بس نہیں ہے بلکہ اس نے فلسطینیوں کے حق خود ارادیت پر آج تک ایک مرتبہ بھی بحث نہیں کی۔

اگر اسرائیل کا کوئی بھی مسئلہ درپیش ہو اگرچہ وہ تھوڑا ہی ہو پھر بھی سلامتی کونسل جیسے ادارے اپنے اجلاس منعقد کرنے میں ذرہ برابر بھی پس و پیش نہیں کرتے خواہ آدھی رات کا وقت ہی کیوں نہ ہو۔ موجودہ اقوام متحدہ میں پانچ ایسی غیر مسلم حکومتیں شامل ہیں جن کے پاس ویٹو کا حق موجود ہے اور اس کی وجہ سے وہ بے شمار مرتبہ ظلم اور عدم مساوات کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں اور آج تک اقوام متحدہ جس پالیسی پر کاربند رہی ہے یہ عالمی صیہونی خواہشوں کے عین مطابق ہے اور اسلامی ممالک کے لئے یہاں صرف دوٹنگ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے اس لئے دنیائے اسلام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے ایک خصوصی اقوام متحدہ تشکیل دے۔

اسلامی ممالک کو چاہئے کہ وہ اپنے باہمی معاملات اور عالمی معاملات کو تعاون و اخوت کی فضا میں رکھیں تاکہ بین الاقوامی مسائل میں بھی حق و صداقت کا بول بالا ہو سکے۔

تمام اسلامی ممالک کو چاہئے کہ وہ اس طرح یکجان ہوکر قدم بڑھائیں جس طرح ایک جسم میں ایک دل دھڑک رہا ہوتا ہے۔

اسلامی مشترکہ کرنسی کا قیام اور اسلامی دینار میں لین دین

دنیا کے بیشتر ممالک ڈالر کو ریزرو کرنسی کے لین دین کے لئے استعمال کرتے ہیں اور ایک ڈالر ایک کاغذ پر چھاپ کر۔۔۔ دو چھ سو بلین ڈالر کی تعداد میں امریکہ سے باہر بھیجا جاتا ہے اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو کاغذ کے ان پر زور ڈالروں کے عوض پٹرول اور دوسرا خام مال حاصل ہو جاتا ہے۔ امریکہ کو یہ فائدہ اس کے خون پسینے کی کمائی نہیں ہے بلکہ یہ دوسرے ملکوں کی رقوم کے بدلے میں ہوتا ہے۔

دوسری جانب امریکہ باہر پھیلائے ہوئے ان ڈالروں کو دوبارہ مختلف قسم کے حصص یا سندات کے بدلے میں واپس حاصل کر لیتا ہے تاکہ اس رقم کو وہ دوبارہ استعمال میں لا سکے۔ اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے اور ایک اندازے کے مطابق دنیا کے غریب ممالک ہر سال امریکہ کو ان غیر محسوس طریقوں سے تین سو بلین ڈالر کی اقتصادی امداد مہیا کرتے ہیں چونکہ امریکہ پٹرول بھی اپنے ڈالر کے عوض ہی حاصل کرتا ہے اس لئے پٹرول

مسلمانانِ عالم کے مسائل سیاسی بھی ہیں، معاشی بھی اور معاشرتی بھی جن کے حل کے لیے مشترکہ جدوجہد ناگزیر ہو چکی ہے

کی وہ مقدار جس کی قیمت اٹھارہ ڈالر ہو اس کے لئے امریکہ نہایت سہولت و آسانی سے پینتیس (۳۵) ڈالر ادا کر سکتا ہے۔

لیکن اس طرح وہ دوسرے ممالک جو پہلے کا بڑھے خون پسینے سے کمائی ہوئی دولت میں سے مجبوراً پینتیس ڈالر دے کر تیل خریدتے ہیں ان کو اس کے لئے بہت زیادہ تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔ اور خود مغربی دنیا نے بھی ان ممکنہ مشکلات کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا اور اب جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ یورپی مشترکہ بازار کے رکن ممالک بھی مشترکہ کرنسی یونٹ کو اپنا کر ڈالر کے دائرہ اثر سے نکلنا چاہتے ہیں اور کوشش کر رہے ہیں کہ اس نئے مشترکہ کرنسی یونٹ پر کسی دوسری کرنسی کو تفوق حاصل نہ ہو۔ لیکن جہاں تک اسلامی ممالک میں اس تفوق کا تعلق ہے تو ان ممالک میں تو یہ بالفعل زیادہ شدت سے موجود ہے۔

اور ان حالات میں جب کہ مغربی ممالک بھی اس تجربے کو برداشت نہیں کر سکتے تو مسلمان ملکوں کیلئے بھی اسی میں مصلحت و فائدہ ہے کہ وہ اس صورت حال کو تبدیل کر دیں جو دنیائے اسلام کی ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔

اس ضمن میں ممالک اسلامیہ کو چاہیے کہ وہ اپنے درمیان مشترکہ کرنسی یونٹ کو اپنانے میں جلدی کریں اور جب یہ کرنسی تمام اسلامی ممالک کے درمیان مشترک ہوگی تو اس کی قیمت کو برقرار رکھنے کے لئے باہمی یکجہتی کو بھی لازماً فائدہ پہنچے گا۔ اور اگر یہ ہو جائے تو پھر ہمارے حاجیوں کو حجاز مقدس میں قیام کے دوران یا سفر حج کے دوران کسی دوسری غیر ملکی کرنسی میں زرمبادلہ حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی اور اس سے اتنے زیادہ فوائد حاصل ہوں گے جو شمار نہیں کیے جا سکتے۔ ہمیں کرنسی کی اہمیت سے صرف نظر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ بھی حق کے پیمانوں میں سے ایک پیمانہ ہے۔ اور اگر ہم حق کو ثابت کرنا چاہتے ہوں تو ضروری ہے کہ ہمارے پاس صحیح کرنسی ہو اور کھوٹے سکے نہ ہوں۔

اسلامی ممالک کی مشترکہ دفاعی تنظیم کا قیام

مغربی ممالک نے اپنے مشترکہ دفاع کی غرض سے دو مشترکہ تنظیمیں قائم کر رکھی ہیں۔ وہ معاہدہ شمالی

اوقیانوس، ناٹو اور وارسا پیکٹ کے نام سے مشہور ہیں۔ آج مغربی ممالک اپنی مشینی مصنوعات کی قیمتوں میں بہت تھوڑے تھوڑے وقفوں سے بہت زیادہ اضافہ کرتے رہتے ہیں تاکہ اپنے ملکوں کے عوام کی فلاح و بہبود کر سکیں۔ اور اگر اسلامی ممالک بھی ان جیسی کسی تنظیم کی بنیاد رکھ کر اور اس معاملے میں کسی قسم کے اپنے ذاتی دفاع کے لئے چیزوں کی قیمتوں میں اضافہ کرنے کا ارادہ ظاہر کریں تو اگرچہ یہ ان ممالک کا حق ہے۔ تب بھی بہت جلد کھل کر سامنے آ جائے گا کہ ان اسلامی ملکوں کو یورپی ممالک سے کتنی بڑی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حال ہی میں یہ خبر بھی آئی ہے کہ امریکہ نے ایک فوج تیار کی ہے جس میں ایک لاکھ افراد شامل ہیں اور جن کا کام یہ ہے کہ جب امریکا اس بات کی ضرورت محسوس کرے تو وہ اسلامی ملکوں میں داخل ہو جائیں۔

اگر ایسا کوئی حملہ ہوا تو کیا اسلامی ممالک صرف تماشائی بن کر کھڑے رہیں گے؟ کیا ان ممالک کو کسی حملے کی صورت میں اپنے حفاظت و دفاع کی ضرورت نہیں ہے؟ خواہ یہ حملہ دنیا کے کسی گوشے سے کیا جائے۔

اس لئے اسلامی ممالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ جلد از جلد اپنے درمیان ایک مشترکہ دفاعی تنظیم قائم کر لیں۔

رابطہ و تعاون کا قیام

اسلامی یونیورسٹیاں وقت کے ساتھ ساتھ ترقی کر رہی ہیں اور تحقیق کے مختلف میدانوں میں اپنی سرگرمیوں کو نمایاں کر رہی ہیں۔ ان یونیورسٹیوں کے پاس اپنے تجربہ کار اور ماہرین علوم افراد موجود ہیں جن کی تعداد دن بدن زیادہ ہو رہی ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تمام تر تحقیق اور وسائل کو اس طرح بروئے کار لایا جائے جس سے دنیائے اسلام کے تمام افراد بہرہ مند ہو سکیں۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ ایک مستقل تنظیم کے ذریعے جس کے ذمے صرف یہ کام لگایا جائے، عالم اسلام کے مختلف حصوں میں موجود یونیورسٹیوں کے درمیان رابطہ و تعاون پیدا کیا جائے۔

ہم خدائے بزرگ و برتر سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری قوم، تمام امت اسلامیہ اور تمام نوع انسان کو راہ حق و صداقت کی پہچان کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری اس سے یہ بھی دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

(انجم کراچی)

سازشوں کے جال

یکساں سول کوڈ اختیاری یا لازمی؟ بحث چل پڑی

بار کونسل کے مذاکرہ میں اسے لازمی بنانے پر زور دیا گیا، یونس سلیم نے مخالفت کی

وزارت قانون نے اپنا مسودہ وزیر اعظم کو پیش کر دیا۔

نئی دہلی۔ وزیر اعظم کی خواہش کے مطابق ملک میں یکساں سول کوڈ کی بحث چل پڑی ہے۔ اس سلسلہ کا ایک اہم مذاکرہ یہاں ۱۰، ۱۱ اکتوبر کو ہوا جس کا اہتمام بار کونسل آف انڈیا نے اور افتتاح وزیر قانون اشوک سین نے کیا۔ مذاکرہ کا اصل موضوع یہ تھا کہ یکساں سول کوڈ ہونا چاہیے یا نہیں، اور اگر ہو تو اختیاری ہو یا لازمی۔ مذاکرہ کے بیشتر شرکاء نے اسے تمام فرقوں کے لئے لازمی قرار دینے پر زور دیا۔ ان میں سے کچھ تو اس قدر پر جوش اور بے چین تھے کہ اگر ان کا بس چلتا تو اسی وقت لازمی قرار دے دیتے لیکن بعض مقررین نے اس سلسلہ میں صبر و ضبط سے کام لینے کی ضرورت پر زور دیا۔ کچھ کا خیال تھا کہ ابتداءً کم از کم پانچ سال، یکساں سول کوڈ کو اختیاری ہی رہنا چاہیے۔ وزیر قانون نے واضح کیا کہ یکساں سول کوڈ کو گو سبھی فرقوں کے لئے قابل قبول ہونا چاہیے تاہم اسے لازمی نہیں بنایا جا سکتا۔ اس مذاکرہ میں منتظمین کی طرف سے پہلے دن کوڈ کا جو مسودہ پیش کیا گیا اس میں مسلمانوں اور درج فہرست قبائل کو چھوڑ کر ہندوستان کے تمام شہریوں کے لئے لازمی قرار دینے کی بات کہی گئی تھی لیکن دوسرے دن اس مسودہ پر غور کرنے کے بعد شرکاء کی اکثریت نے اسے مسلمانوں اور درج فہرست قبائل سمیت تمام فرقوں اور شہریوں کے لئے لازمی قرار دینے کے حق میں رائے دی۔

مسودہ پر بحث کے دوران سابق نائب وزیر قانون محمد یونس سلیم نے لازمی کوڈ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ اس سے شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ آزادی کی لڑائی کے دوران اقلیتوں کو یقین دلایا گیا تھا کہ ان کے مذہب میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ اسی یقین دہانی کی بنیاد پر ہم نے اپنے مذہب کے ان لوگوں کی مخالفت کی تھی جو تقسیم ملک کی بات کر رہے تھے۔"

مسٹر سلیم نے کہا کہ جب تک اقلیتیں خود نہ چاہیں ان پر یکساں سول کوڈ مسلط نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے بتایا کہ انگریزی حکومت نے بھی شریعت ایکٹ کے سلسلہ میں مسلمانوں کو ماننے نہ ماننے کا اختیار دیا تھا۔ ڈاکٹر امتیاز احمد نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا کہ سیکولرازم دو دھاری تلوار ہے۔ یہ اگر کسی کو یکساں کوڈ کے مطالبہ کا حق دیتا ہے تو دوسری طرف وہ دوسروں کو اپنے پرسنل لا پر عمل کرنے کا حق بھی دیتا ہے۔

ڈاکٹر وسودھا دھاگموارے نے تجویز کیا کہ مسلم پرسنل لا میں عورتوں کے ساتھ سخت امتیاز برتا گیا ہے لہذا سروے کر کے ان کی رائے معلوم کی جائے کہ ان میں سے کتنی عورتیں یکساں سول کوڈ چاہتی ہیں تاہم مسز کپیلا سنگھوانی اور جیوتسنا چیٹر جی نے کہا کہ عورتوں کے ساتھ تمام پرسنل لاز میں امتیازی سلوک برتا گیا ہے۔

سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس وائی بی چندر چوڑ نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے مسرت ظاہر کی۔ انھوں نے کہا ہم نے شاہ بانو مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے قومی یکجہتی کے مقصد کو ذہن میں رکھا تھا، ہمیں خوشی ہے کہ آج کا مذاکرہ انہی خطوط پر سوچ رہا ہے۔ مسٹر چندر چوڑ نے کہا کہ شاہ بانو کا فیصلہ دیتے ہوئے ہمارا مقصد کسی مذہب کی شکل بگاڑنا نہیں تھا، لیکن اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو میں سپریم کورٹ کی طرف سے معافی کا خواستگار ہوں۔

دریں اثنا معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مرکزی وزارت قانون نے اختیاری یکساں سول کوڈ کا مسودہ تیار کر لیا ہے اور اسے وزیر اعظم کو بھیج بھی دیا ہے۔ خیال ہے کہ اس سلسلہ میں ایک بل پارلیمنٹ کے موسم سرما کے اجلاس میں پیش کر دیا جائے گا۔

لازمی یکساں سول کوڈ کیلئے ہندوستانی خانہ جنگی بھی قبول کر لیں گے

وزیر اعظم کی موجودگی میں بار کونسل آف انڈیا کے صدر وی سی مشرا کی دھمکی

بار کونسل آف انڈیا کے چیرمین مسٹر وی سی مشرا نے مرکزی وزارت جنگلات کے وزیر مملکت مسٹر ضیاء الرحمٰن انصاری کے اس بیان پر سخت تنقید کی ہے جس میں بار کونسل کی طرف سے بلائے گئے اس کنونشن کی مذمت کی گئی جس میں یکساں سول کوڈ کا مسودہ تیار کیا گیا تھا۔ مسٹر مشرا نے کہا کہ مسٹر انصاری جیسے شخص کو ایک سیکولر جمہوریہ میں وزیر بنے کا حق نہیں ہے۔ مسٹر انصاری نے اپنے ایک بیان میں،

حکومت کو وارننگ دی ہے کہ مسلمان یکساں سول کوڈ برداشت نہیں کریں گے اور اس کے خلاف جدوجہد کریں گے۔ مسٹر منشر نے کہا کہ وزیر اعظم خود اعلان کر چکے ہیں کہ ان کی حکومت بہت جلد یکساں سول کوڈ بنائے گی۔ مسٹر منشر نے کہا کہ میں مسٹر الفاری کو واضح طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ بار کونسل نے صحیح سمت میں قدم اٹھایا ہے اور کونسل جلد از جلد یکساں سول کوڈ بنانے کے لئے جدوجہد کرے گی۔ مسٹر منشر نے دھمکی دی کہ اگر تاخیر ہو گیا تو قومی یکجہتی کے مفاد میں ہندوستان کے یکساں سول کوڈ کے حصول کے لئے خانہ جنگی کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔ بار کونسل آف انڈیا نے جو ہندوستان میں وکلاء کی سب سے بڑی تنظیم ہے۔ سو ر لوہر کو اپنی سلور جوبلی تقریبات منائیں۔ مسٹر منشر نے مذکورہ بالا خیالات وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی کی موجودگی میں بیان کئے۔ لیکن وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں ان کو نظر انداز کر دیا۔ بار کونسل نے وزیر اعظم کو یکساں سول کوڈ کا ایک مسودہ بھی دیا لیکن وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں اس کو بھی نظر انداز کر دیا۔ گذشتہ ماہ بار کونسل نے تین روزہ کنونشن میں یکساں سول کوڈ کا مسودہ تیار کیا تھا حکومت اختیاری یکساں سول کوڈ بنانا چاہتی ہے جبکہ بار کونسل کا کہنا ہے کہ لازمی یکساں سول کوڈ بنایا جائے اور دستور کے آرٹیکل ۴۴ پر عمل میں اب مزید تاخیر نہیں کی جا سکتی۔

یکساں سول کوڈ کا اصل منشا یک زوجگی کا رواج

ترونڈرم۔ مرکزی وزیر قانون و انصاف مسٹر اشوک سین نے کہا ہے کہ مجوزہ یکساں سول کوڈ کا اصل نظریہ یک زوجگی کا رواج ہوگا۔ ترونڈرم لا کالج کی صد سالہ تقاریب یادگار کو خطاب دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ یکساں سول کوڈ ابتداءً اختیاری ہوگا۔ اب ملک میں جو سول کوڈ ہے وہ شادی اور وراثت کو چھوڑ کر اپنے نظریہ کے اعتبار سے یکساں ہی ہے کوڈ بیانیہ کر... و دفعہ جات بھی شامل کئے جائیں گے۔ وزیر قانون نے کہا کہ بعض فرقوں کے پرسنل لاء کا تعلق اور مذہبی شناخت کے نظریہ سے چولی دامن کا ساتھ ہے مجوزہ یکساں سول کوڈ میں تمام پرسنل لاز کے بہترین حصوں کو شامل کیا جائے گا ایسے قانون کا اخذ تمام پرسنل لاز کے پس پردہ کار فرما بصیرت ہونی چاہئے۔ مسٹر سین نے کہا کہ ہندو میرج ایکٹ، اسپیشل میرج ایکٹ ۱۹۵۴ء اور ہندو میرج ایکٹ ۱۹۵۵ء کو اس مجوزہ کوڈ میں مناسب اہمیت دی جائے گی لیکن یہ کام سنجیدہ عوامی مباحثے کے ذریعہ ہی اتفاق رائے ممکن ہے۔ شاہ بانو کیس کا حوالہ دیتے ہوئے وزیر قانون نے کہا کہ سپریم کورٹ نے پر نظر ثانی کرنے کے پہلے دستور کی دفعہ ۴۴ کی رو سے حکومت کو سول کوڈ مدون کرنے کی ہدایت کی گئی ہے قدرے غلطی

(بقیہ علماء منتوں کے جلسہ)

کا ارتکاب کیا ہے۔ اگرچہ اس دفعہ کے تحت یہ اعلان کیا گیا ہے کہ حکومت سارے ملک میں تمام شہریوں کے لئے یکساں سول کوڈ کی تدوین کے لئے کوشش کرے گی۔ مسٹر سین نے کہا کہ ڈاکٹر امبیدکر نے دستور ساز اسمبلی میں دفعہ ۴۴ پر بحث کے دوران ہی یہ وضاحت کر دی تھی کہ یکساں سول کوڈ جبراً نہیں بلکہ صرف اتفاق رائے ہی کے ذریعہ نافذ کیا جانا چاہئے۔ (سہ روزہ دعوت نئی دہلی)

(بقیہ افغان مجاہدین)

انھیں اپنے کنوائے اور مجاہدین کے ٹھکانوں میں تفریق کرنا مشکل نظر آ رہا تھا۔

چنانچہ مجاہدین کے ٹھکانوں کا جائزہ لینے اور ان پر حملہ کرنے کے لئے جونہی ایک ہیلی کوپٹر نے بلندی کا کم کر کے راستے کے دونوں طرف موجود چٹانوں پر ایک چکر لگایا ایک تحت فضا میں تڑتڑاہٹ کی آواز بلند ہوئی اور روسی میانی مشین گنوں کے فائر نے اسے اپنی زد میں لے لیا۔ در اصل مجاہدین کے دو گروپ جو اس پوری جنگ سے علیحدہ عقب میں موجود پہاڑوں کے دو بلند لیکن محفوظ مقامات پر محض اس لئے متعین کئے گئے تھے کہ ہوائی حملے کی صورت میں اس کا موثر دفاع کیا جا سکے۔ اب ان کے کام کا آغاز ہو چکا تھا پھر بلندیوں پر گونجتی ہوئی تکبیروں نے دشت و جبل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، ادھر کنوائے پر حملہ آور مجاہدین نے بھی جوابی نعرہ اسی شدت اور تواتر کے ساتھ بلند کیا۔

یکایک بلندی سے آتی ہوئی صدائے تکبیر میں نمایاں جوش و خروش شامل ہو گیا۔ آسمان کی جانب نگاہ اٹھائی تو دور ایک ہیلی کوپٹر گہرے سیاہ رنگ کا دھواں خارج کرتا ہوا تیزی سے واپس جاتا دکھائی دیا۔ اس کی بلندی لمحہ بہ لمحہ کم ہوتی جا رہی تھی، اور پھر ایک گڑگڑاہٹ دھماکے کے ساتھ ہی وہ پیوند خاک ہو گیا۔ اس ہیلی کاپٹر کا گرنا تھا کہ بقیہ نے تیزی سے راہ فرار اختیار کی۔

کنوائے پر ہونے والا حملہ اپنے اختتام پر تھا۔ روسیوں کے لئے انھیں کے بوں نے از راست گوئی ماست کے مصداق جو تباہی مجاہدین نے پھیلائی تھی اس کے بعد وہ آخر تک سنبھل نہیں پائے۔ البتہ کنوائے کے عقبی حصے سے چند گاڑیاں اور ٹینک راہ فرار اختیار کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ جبکہ بقیہ کنوائے کسی مردہ اژدھا کی مانند جگہ جگہ سے کٹا پھٹا عبرت کا مرقع بنا پڑا تھا۔ (تکبیر)

مجاہد الاسلام محمد نور کاظمی

ملی وحدت اور اجتماعیت کے معنی اور وہ کیونکر ممکن ہے

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا کا کوئی انقلاب کسی اجتماعی اور منظم و متحد سعی و جہد کے بغیر برپا نہیں ہوا۔ اس لئے اگر کسی صالح مقصد کے بغیر منظم و متحد ہونے کی مہم چلائی جائے گی تو وہ کامیاب نہ ہو سکے گی۔ اگر وقتی طور سے اس مہم کامیابی ہو بھی گئی تو اسے دوام و استقرار حاصل نہ ہوگا۔ لہذا تنظیم ملت کی مہم چلانے سے قبل ہمیں جاننا چاہئے کہ ہماری اجتماعیت کا مقصد کیا ہے؟ وہ کون سا ہدف ہے جس کے پیش نظر ہم لوگوں کو اجتماعیت کے شیرازے میں پرونا چاہتے ہیں؟

ملت اسلامیہ کا مقصد وجود خدا کا شکر ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہماری حیثیت خدا کی نظر میں بڑی ارفع و اعلیٰ ہے۔ ہم ملت اسلامیہ کے فرزند ہیں۔ اس ملت اسلامیہ کے وجود کا مقصد اس کے خالق کی نظر میں یہ ہے کہ وہ پوری نوع انسانی کو غلط افکار و غلط اعمال سے روک کر صحیح راہ پر لائے۔ اس خاص مقصد کی تعبیر کیلئے قرآن کریم میں "شہادت حق" اور "اقامت دین" کے الفاظ آئے ہیں۔ دین کی اقامت کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ماننے والا اس سے پوری طرح واقف ہو۔ علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے اس کے ماننے کا حق ادا کرے اس طور سے کہ قرآن و سنت کی ایک ایک ہدایت پر عمل ہو بلکہ پوری شریعت کی پیروی ہو اور حیات ملی کی عمارت شریعت کے اصولوں کے مطابق بنائی جائے۔

مقصد وجود کی بنیاد پر وحدت کا مفہوم عمومی طور سے دیکھا جائے تو اتحاد اس کیفیت کا نام ہے جو مختلف گروہوں کے درمیان باہمی حسن ظن اور حسن سلوک سے ظہور میں آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب سب مل کر کوئی خاص کام کرتے ہیں تو اس کام میں اشتراک سے وحدت اور اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ اور جہاں تک ملت اسلامیہ کے مقصد وجود کی بنیاد پر وحدت و اتحاد کی بات ہے تو اس سلسلہ میں ہم قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

"اللہ کی رسی باہم مل کر تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو" آل عمران

اس میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ تمام اہل اسلام ایک مضبوط و منظم اور متحد ملت بن جائیں اور اس ملت کو

جوڑ کر رکھنے والی چیز "اللہ کی رسی" یعنی وہ دین ہو جس کو قائم و دائم رکھنے اور اس کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کرنے ہی کے لئے ملت اسلامیہ کا وجود ہوا ہے۔

اسی طرح اس اتحاد کے مفہوم میں وہ اتحاد بھی شامل ہے جو کسی وقتی اور ہنگامی خطرہ کی مدافعت کے وقت ظہور میں آتا ہے لیکن ہنگامی خطرہ کے وقت بھی جو اتحاد ہوگا وہ بھی اسی مفہوم میں ہوگا یعنی اس ملت کا مقصد وحید صرف اللہ کے دین کی اقامت ہے۔

مشترکہ مقاصد کے حصول کے لئے اجتماعی کوشش کی اہمیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "علیکم بالجماعۃ وایاکم والفرقۃ" یعنی اجتماعی زندگی گذارو اور افتراق و انتشار کی راہ نہ ڈھونڈو" میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ کسی بھی مشترک کام کے حصول کے لئے اجتماعی کوششوں کی کیا اہمیت ہوتی ہے؟ یہ ہدایت اس لئے دی گئی ہے کہ ملت کی اجتماعیت محفوظ رہے۔ انتشار کی نذر نہ ہو جائے اور ہم اپنے مشترکہ مقاصد کو اجتماعی طور سے حاصل کرنے کی سکت رکھ کر سکیں کیونکہ مشترکہ مقاصد کا حصول اجتماعیت کے بغیر انفرادی طور پر ناممکن ہے۔

مزید برآں اسلام کی غرض و غایت اور اس کے مشترکہ مقاصد کو پورا کرنے میں اجتماعیت بڑا ہی خاص حصہ لیتی ہے اور اس کے ذریعہ مشترکہ مفادات کا حصول بڑی حد تک ممکن ہے۔

اجتماعی شیرازے سے اپنے آپ کو وابستہ رکھنے میں ہمارے دین کی سلامتی اور ایمانی زندگی کی حفاظت بھی ہے۔ اگر اجتماعی شیرازہ بندی نہ ہو تو ہم اپنے دین و ایمان کی کما حقہ حفاظت نہیں کر سکتے کیونکہ انفرادیت اور تنہائی میں شیطان ہمیں آسانی زیر کر سکتا ہے۔ لیکن ملی اجتماعیت و شیرازہ بندی ایسی محفوظ اور قلعہ بند جگہ ہے جہاں ایک صاحب ایمان بڑی حد تک شیطانی چالوں سے بچ سکتا ہے اور اس کے لئے کسی مومن کو بہکانے اور فریب میں کرنا بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے۔

ملی تحفظ و بقا کی مشترکہ جد و جہد مسلمانوں کی تعریف قرآن کریم میں اگر کہیں "انما المومنون اخوۃ" اور "بعضہم اولیاء بعض" سے کی گئی ہے تو کہیں "رحماء بینہم" اور "اذلۃ علی المومنین" ان کا امتیازی نشان بتایا گیا ہے گویا باہم ملکر رہنا ان کے ایمان اور تقویٰ کی کسوٹی ہے۔ قرآن کریم نے اہل ایمان کو اس وصف کے ذریعہ اتنی اہمیت اس لئے دی ہے کہ وہ اپنے دین اور ملت کی حفاظت مشترکہ طور پر کر سکیں اور یہ مشترکہ جد و جہد اسی وقت ممکن ہے جبکہ ان کے درمیان اخوت و بھائی چارگی اور باہم

مل جل کر رہنے کا ملکہ ہو۔ ہمیں اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ مشترکہ جدوجہد ہمارے حق میں زیادہ مفید ہے کیونکہ "جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے" تو جو کام مشترکہ ہوتا ہے اس میں خدا کی نصرت و حمایت شامل ہوگی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ایک ملت بن کر رہیں اور چلیں۔ پہلا مسئلہ چلنے کا ہے۔ چلنا، چلنا، مسلسل چلنا اور آگے بڑھنا اور پھر راہ کے روڑوں کو دور کرنا یا گرا دینا۔ یہ کام سب مل کر ہی کر سکتے ہیں۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں ملی وحدت ایک اہم ضرورت ہے آج ملت اسلامیہ ہند ایک نازک موڑ پر کھڑی ہے، ملت کے شیرازہ کو پراگندہ بنانے ان کے امتیازات کو ان سے چھین لینے کی منظم جارحانہ دور جسے اعلیٰ وسائل کے ساتھ کوشش کی جا رہی ہے۔ اس مہم میں اس ملک کی صحافت ہراول دستہ کا رول ادا کر رہی ہے۔ ملک کے دانشور یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے چمن میں صرف ایک ہی رنگ اور ایک ہی خوشبو کے پھول کھلیں۔ انھیں مسلمانوں کی مذہبیت ایک آنکھ نہیں بھاتی چنانچہ وہ جماعتیں پرسنل لا اور تہذیبی اقدار کو ختم کرنے کے درپے ہو چکے ہیں اور آج اس کی عملی شکل ہم اپنی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔

ہماری تہذیبی اقدار کی پامالی کا بہترین علاج اتحاد و تنظیم اور ربط باہم ہے جس کی طرف حالات و واقعات پکار پکار کر بلا رہے ہیں۔ کیا زخموں سے چور اس ملت کی زندگی میں ربط باہم اور اتحاد کی طرف مائل ہونے کی کوئی اور گھڑی آئے گی؟ اگر حالات کے یہ تھپیڑے بھی اس کی آنکھیں نہیں کھول دیتے تو اس کے بعد مکمل تباہی اور بے پناہ رسوائی کا سامنا ہے۔ آج طاقت کا اصل سرچشمہ دستوری تحفظات میں نہیں بلکہ ملتوں کے اندرونی اتحاد میں ہے جس کی بنیاد استوار ہے۔ اسی اتحاد کے بل پر اس ملک میں قلیل التعداد گروہوں نے اپنے مطالبات بھی منوا لئے ہیں اور دستوری ترمیمات پر بھی اکثریت کو مجبور کر دیا ہے۔ ہندوستان کے موجودہ حالات کے پیش نظر ملت اسلامیہ ہند میں اتحاد ایک لازمی شئی ہے۔ اس کے بغیر ہم اپنی تہذیبی اقدار کی حفاظت نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ اتحاد دائمی ہو اور اس اعلیٰ مقصد کی بنیاد پر ہو جس کی خاطر ملت اسلامیہ کا وجود ہوا ہے۔

مسلمانوں کے وہ مشترکہ مسائل جن کی وجہ سے ملی وحدت کی ضرورت ہے ہندی مسلمانوں کے سامنے اس وقت سب سے بڑا مشترکہ مسئلہ دفاع ملت کا ہے۔ مسلمان اس وقت جن مسائل سے دوچار ہیں مثلاً

مسجدوں پر ناجائز قبضہ، مسلم پرسنل لا میں مداخلت، قرآن پر پابندی کا مطالبہ اور تہذیبی اقدار کی بیخ کنی، فتنہ و فساد کے یہ لپکتے شعلے سب کے سب اسی بڑے مسئلہ کی شاخیں ہیں۔ آج اس ملک کی سیاست کا یہ شیوہ بن گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہر معاملہ میں ناانصافی، معاندانہ اور غیر منصفانہ رول ادا کر رہی ہے اور دوسری طرف اس سیکولر حکومت کا یہ عالم ہے کہ اگر مسلمان اپنے ملی معاملات میں ایک متحدہ رول ادا کرنے کی غرض سے مل کر کام کرنے کی کوئی بات سوچتے ہیں تو یہ چراغ پا ہو جاتی ہے۔ ضرورت ہے کہ تمام ہی مسلمان متحدہ قدم اٹھائیں کہ اس کے بغیر ہمارے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔

ملی وحدت کیسے ممکن ہے؟ ہمارے موجودہ حالات کے پیش نظر ملی وحدت چار چیزوں کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

(۱) کتاب و سنت کی طرف رجوع کامل پہلی چیز یہ ہے کہ ہم کتاب و سنت کی طرف مکمل رجوع کریں۔ ہمارا رشتہ قرآن و سنت سے بندھا رہے، ٹوٹنے نہ پائے۔ ہماری پوری زندگی قرآن و سنت کی ہدایتوں کے مطابق بسر ہونے لگے۔

حیف ہے کہ ہندوستان میں کچھ ایسے مسلمان بھی پائے جاتے ہیں جو اپنے آپ کو ہندوستانی قومیت سے منسوب کرتے ہیں۔ وہ لوگ بھی یہاں موجود ہیں جو آب زمزم سے قطع تعلق کر کے آب گنگا سے وابستگی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ان نادانوں نے ملی وحدت کے حقیقی مفہوم کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ حقائق ان کی نگاہوں سے مخفی ہیں۔ وہ محض سطحی ہیں۔ اگر وہ ملی وحدت چاہتے ہیں تو انھیں رشتہ قرآن و سنت سے جوڑنا ہوگا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرنا ہوگا۔ اللہ کا ارشاد ہے:

"اے مومنو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے امیر کی، اگر کسی معاملہ میں تم میں اختلاف ہو جائے تو اللہ و رسول کی طرف رجوع کرو۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی انجام کے لحاظ سے بہتر اور بہترین ہے" النساء ۵۹

ہماری وحدت کا راز اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری میں ہے۔ اختلاف و انتشار کی صورت میں ہم اسی کی طرف رجوع کریں۔ ہم عوام الناس کے اندر ایک اسلامی شعور پیدا

کریں۔ اور ان کو احساس دلائیں کہ تمھاری کامیابی کا راز احکام الٰہی کی فرمانبرداری میں ہے۔

ضرورت ہے کہ ہم نشاۃ ثانیہ کی نمود دیں، قرآن و سنت کے مطابق ہماری زندگی ہو، ہم اپنے عمل سے برادران وطن کے دلوں کو مسخر کریں۔ اسلام کی سطوت اسی میں ہے اور اسی میں قوت و وحدت کا راز پوشیدہ ہے۔

(۲) فروعی اختلافات کو اہمیت نہ دی جائے دوسری چیز یہ ہے کہ ہم فروعی اختلافات کو قطعاً کوئی اہمیت نہ دیں، مسلکی اور گروہی اختلافات کو یکسر اپنے ذہنوں سے فراموش کرکے، اس مقصد کو تازہ رکھتے ہوئے اتحاد و اتفاق کی راہ ہموار کریں۔ بحث و تکرار اور باہمی تحقیر و تذلیل اس ملک کے علماء کے ایک بڑے گروہ نے اپنا شعار بنا لیا ہے، انھوں نے ملت کی اجتماعیت کے حصار کو توڑ کر اس کی آبرو کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ اب پوری ملت کے تمام چھوٹے بڑے افراد کے لئے، امت کے تمام ہی علماء کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ اس حالت میں وہ اپنے خیالات اور گروہی و مسلکی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر ایک دوسرے سے قریب آنے کی کوشش کریں۔ اور ہر جگہ سے ملت کے اتحاد اور اخوت کی صدائیں بلند ہوں۔

(۳) اختلاف و افتراق کے نتائج سے عوام کو باخبر کیا جائے ہم اختلافات و افتراق کے نتائج سے عوام کو باخبر کریں کہ ہمارا سب سے بڑا دشمن خود ہمارا انتشار اور اجتماعی کمزوری، دنیوی اور ذاتی مفاد کو ترجیح دینے کی عادت اور خود غرضی ہے۔ ان کمزوریوں کے ساتھ کوئی ملت اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم ان بنیادی اسباب کو تلاش کریں جو اس ملت اسلامیہ کی تباہی کا باعث ہیں تو انہیں سرفہرست ملی وحدت کا فقدان ہی نظر آتا ہے، کیا بات ناممکن ہے کہ ہم مسلمان انفرادی طور سے اس عظیم نقصان کے اثرات کو محسوس کریں اور اجتماعی طور پر سب متحد و متفق ہو جائیں۔ کہ جس سے مستقبل کی توقعات ملی سطح پر پوری ہونے کی امید ہو۔

(۴) وحدت ملت کی راہ میں رکاوٹ بننے والوں کی برملا وضاحت ذاتی اغراض و مقاصد کی خاطر جو شخص بھی وحدت ملت کی راہ میں رکاوٹ بنے اس کے کردار کی ہم برملا وضاحت کریں تاکہ اس کی شکل سب کے سامنے بالکل واضح ہو جائے۔ اس وقت مسلمانوں میں کچھ ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو ملت کو اندر سے کھوکھلا کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ضروری ہے کہ ملت اسلامیہ ہند کی حفاظت

اور آئندہ نسلوں کی بہبودی کے لئے ایسے ضمیر فروش لوگوں کو منظر عام پر لے آیا جائے جو حکومت کے ہاتھوں اپنے ایمان کو بیچ چکے ہیں، عوام کو باخبر کریں کہ دیکھو یہ ہیں ملت کو برباد کرنے والے ؎

بربادیٔ گلشن کی خاطر بس ایک ہی الو کافی تھا
ہر شاخ پہ الو بیٹھے ہیں انجام گلستاں کیا ہوگا

ملی وحدت کے استحکام کے سلسلہ میں مسلمانوں اور ان کے قائدین کی ذمہ داریاں آج مسلمان دیکھ رہے ہیں کہ ان کے گرد و پیش کا سارا ماحول ان کے ملی مزاج کے خلاف ہے، زندگی کو آگے بڑھانے والی تمام طاقتیں ان طریقوں اور اصولوں کے خلاف چل رہی ہیں جن پر اعتقاداً اور عملاً ان کے ملی وجود کی بنیاد ہے جس کے نتیجہ میں یہ ملت بالکل مضطرب ہے۔ حکومت کے تمام ذرائع ابلاغ اس کے خلاف استعمال ہو رہے ہیں، ایسی صورت میں مسلمانوں کو متحد و متفق ہو کر ایک پلیٹ فارم سے کام کرنا از حد ضروری ہے اور ملی استحکام کے لئے مسلمانوں کو بڑی ہمت، بڑے استقلال، عقل کی روشنی میں اور تجربوں کی روشنی میں قدم اٹھانے چاہئیں۔ اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ ہے کہ ان بدلتے ہوئے حالات میں مسلمانوں کو اپنی رہنمائی کے لئے ایسے لوگوں کو منتخب کرنا چاہئے جو حالات کو صحیح طور سے سمجھنے والے ہوں جن کا ذہن تنگ نہ ہو، جن کی سیرت مضبوط، اخلاق بلند اور زندگی بے داغ ہو۔

ملی وحدت کے استحکام کے سلسلے میں اصل ذمہ داری مسلم قائدین پر ہے۔ اس وقت مسلم قائدین کے درمیان اتحاد بہت ضروری ہے اور ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلم عوام سے زیادہ سے زیادہ قریب ہوں تاکہ سب مل کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں۔

تاریخ کا یہ کتنا بڑا حادثہ ہے کہ وہ امت جس کا نقطۂ آغاز ایک مضبوط اجتماعیت اور بے مثال مرکزیت تھا آج یہی امت صحرا کے گرد و غبار کی مانند فضاؤں میں سرگرداں ہیں۔ اسے اس حالت کو پہنچانے میں زمانے کا قصور کم ہے خود اس کے نادان رہنماؤں اور قائدین کا جرم زیادہ ہے۔ ان وجوہ حالات میں ملت کے رہنماؤں کی ذمہ داری یہی ہے کہ اب تو وہ اس ملت کی دولت وحدت کو تار تار نہ کریں۔ بلکہ ایک نئے عزم اور حوصلہ کے ساتھ ملی وحدت کے استحکام کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور ہر جگہ سے بس یہی آواز ہو ؎

منفعت ایک ہے اس قوم کا نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

غزل

حفیظ میرٹھی

یہ غزل جناب حفیظ میرٹھی نے ۲۹ اکتوبر ۸۶ء کو مرکز جماعت اسلامی دہلی میں ادارہ ادب اسلامی دہلی کی جانب سے منعقدہ ایک ادبی نشست میں سنائی تھی جس میں پورے ہندوستان کے بہ فکر معروف اخبار و رسائل اور شعراء و نیز مرکز حلقہ جات، نظماء علاقہ اور منتخب ممبران شریک تھے اور بہت سے شعراء کو بوٹ پر حفیظ میرٹھی بلند پایہ شاعر، ادارہ ادب اسلامی کے روح رواں اور تغزل کے شہنشاہ ہیں۔ غزل اور حفیظ ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں۔ معیاری اور بلند پایہ غزل کا نام حفیظ میرٹھی اور حفیظ میرٹھی کا مطلب عمدہ بلند پایہ اور معیاری غزل۔ ان کی غزلوں کا تازہ مجموعہ "متاع آخر شب" جلد ہی منظر عام پر آ رہا ہے۔ (ادارہ)

ظلم کے پیکار سب ہتھیار ہو جائیں گے آپ
جس گھڑی فریاد سے تلوار ہو جائیں گے آپ

اک ادا کے ان گنت مفہوم گنواتے ہیں لوگ
کیا خبر تھی اس قدر تہہ دار ہو جائیں گے آپ

کچھ سننے سے زیادہ بات بڑھ جائے گی اور
مختصر یہ ہے کہ وہ ہموار ہو جائیں گے آپ

روز ڈرتک جور کا احساں جتایا جائے گا
اس طرح بھی درپئے آزار ہو جائیں گے آپ

دیکھ عظمت کے قصیدے خود سنائیں گے اگر
حلقۂ اہل نظر میں خوار ہو جائیں گے آپ

ایک سونا پن رہے گا آرزوؤں کے بغیر
حسرت دل شہر بے بازار ہو جائیں گے آپ

باری باری جاگنا ہے خوف کے شب خون سے
ہم بھی سوئیں گے جب بیدار ہو جائیں گے آپ

ناز برداری نہ کیجے اہل دولت کی حفیظ
رفتہ رفتہ حاشیہ بردار ہو جائیں گے آپ

غزلیں

تابش مہدی

جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی

یوں تو مرا اس سے کوئی پردہ بھی نہیں ہے
لیکن کبھی میں نے اسے دیکھا بھی نہیں ہے

شیطان ہے وہ کوئی فرشتہ بھی نہیں ہے
اس سا کوئی دنیا میں برا بھی نہیں ہے

دشمن سے فزوں تر ہے نگہبان کی قوت
شاید مرے دشمن نے یہ سوچا بھی نہیں ہے

کیا جانئے کیوں لوگ گزر جاتے ہیں کٹ کر
میرا تو کسی سے کوئی رشتہ بھی نہیں ہے

کیوں یہ مری صدا سن کے زمانے پہ غضب ہے
ایسا کوئی اونچا مرا لہجہ بھی نہیں ہے

دنیا میں کسی کو کبھی کم تر نہیں سمجھا
میں کون ہوں کیا ہوں کوئی دعویٰ بھی نہیں ہے

کیوں میرے لئے دار سجایا گیا تابش
میں نے تو کسی کو کبھی ٹوکا بھی نہیں ہے

تابش عباسی

۹۷۲ کشن گنج (تیلیواڑہ) دہلی ۶

جو درد عشق کا ہو مایۂ گراں محفوظ
تو لٹ کے بھی مری دنیا رہا جہاں محفوظ

نظام حق سے ہے باقی وجود مومن کا
کہ تن ہے خاک فقط ہو اگر نہ جاں محفوظ

جو آبروئے چمن ہی پہ آنچ آ جائے
تو کیا خوشی کہ رہے اپنا آشیاں محفوظ

پیام عدن ہے ہر تشنگی کا ہے یہ ثمر
کہ رہ گئی نہ طمانیت جہاں محفوظ

سکوت لالہ، فغان ہزار، داغ قمر
حکایت غم دل ہے کہاں کہاں محفوظ

خدا کے دین کا جب پاسباں رہا مسلم
تو آبرو رہی انساں کی بے گماں محفوظ

جہاں جہاں بھی ہمارے نقوش پا پہنچے
تھا ذکر محبت وہاں وہاں محفوظ

وہ قرطبہ ہو کہ بغداد ہو کہ دلی ہو
کہاں نہیں تری عظمت کی داستاں محفوظ

نہ آج قدر ادب اپنے شہر میں تابش
نہ بزم میں ہے وقار سخنوراں محفوظ

خالد حامدی فلاحی
شعبۂ اسلامیات و عرب و ایرانیات اسٹڈیز
جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

اسلام میں اتباعِ رسول کا مقام

جب حدیث کی تحصیل، اس کی حفاظت اور اس کی تدوین کی بات آتی ہے تو یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ حدیث وسنت کو اتنی اہمیت کیوں دی جا رہی ہے، اسلام میں حدیث وسنت کا مقام کیا ہے، کیا کتابت اور جمع وتدوین حدیث محض ایک علمی اور تحقیقی کام تھا اور ہمیں اسے اسی نگاہ سے دیکھنا چاہیے؟ احادیث میں مذکور مضامین ایک تذکرہ کی حیثیت رکھتے ہیں یا دین میں ان کا کوئی مقام اور اہمیت ہے اور ہے تو کس حد تک ہے۔

جیسا کہ اس سے قبل بتایا گیا حدیث وسنت کا براہ راست آنحضورؐ سے تعلق ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان امور کا جائزہ لیتے وقت ہمارے سامنے رسالت کا تصور بالکل واضح ہو۔ رسول دینی اسلامی تصور رسالت کی رو سے خدا کا نمائندہ ہوتا ہے جو اس کے بندوں کے پاس ان کی ہدایت واصلاح کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ وہ اگرچہ ایک انسان ہوتا ہے اور اس کی تمام ضروریات ومقتضیات انسانی ہوتی ہیں لیکن وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں اپنی زندگی گذارتا ہے۔ اسے غلطیوں سے قصداً محفوظ ومعصوم رکھا جاتا ہے، تاکہ اس کی کتاب زندگی کو انسانوں کے سامنے بطور دلیل پیش کیا جا سکے اور اس کے جاننے والے بلا کسی ادنیٰ تامل یا تشکک اس کی پیروی اور اطاعت کر سکیں۔ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ ہر دور اور ہر قوم میں وقتاً فوقتاً اپنے رسول بھیجتا رہا اور آخر نبوت ورسالت کا یہ سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے رسولوں پر ایمان اور ان کی اطاعت کو دین کا ایک لازمی جز ٹھہرایا ہے اور خاص طور سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو تمام مسلمانوں کے لئے بہترین اسوہ ونمونہ قرار دیا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا [1]

درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

کلمۂ توحید "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" میں محمد رسول اللہ، اسلام کے اسی تصور رسالت کی نمائندگی کرتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اسلام میں توحید کا تصور یعنی اللہ کے دین کی وہی تعبیر قابل قبول ہے اور اسی کا ہمیں مکلف کیا گیا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ونمائندہ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم تک پہنچائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآن میں اپنے رسولوں کی اس حیثیت کی واضح انداز میں صراحت فرمائی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ [2]

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں، اور کہتے ہیں کہ ہم کسی کو مانیں گے اور کسی کو نہ مانیں گے، اور کفر وایمان کے بیچ میں ایک راہ نکالنے کا ارادہ رکھتے ہیں، وہ سب پکے کافر ہیں اور ایسے کافروں کے لئے ہم نے وہ سزا مہیا کر رکھی ہے جو انہیں ذلیل وخوار کرنے والی ہوگی۔ بخلاف اس کے جو لوگ اللہ اور اس کے تمام رسولوں کو مانیں، اور ان کے درمیان تفریق نہ کریں، ان کو ہم ضرور ان کے اجر عطا کریں گے، اور اللہ بڑا درگذر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ [3]

اب آیئے ہم اس حیثیت سے اللہ کی کتاب قرآن کی طرف رجوع کریں کہ وہ رسالت محمدی حضرت محمدؐ کی اطاعت واتباع اور آپ کے اقوال واعمال اور آپ کے فیصلوں وغیرہ کو کس حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔ [4]

ہم نے تمہارے درمیان خود تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیات سناتا ہے، تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے، تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔ [5]

مذکورہ آیت میں آنحضورؐ کی بعثت کے تین بنیادی مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔

۱۔ تلاوت آیات ۲۔ تزکیہ نفوس ۳۔ تعلیم کتاب و حکمت۔ آنحضورؐ کے مقصد بعثت میں نہ صرف قرآن مجید کی آیات کو پڑھ کر سنانا تھا، بلکہ تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیہ نفوس کی ذمہ داری بھی آپ ہی کے سپرد کی گئی تھی۔ مفسرین اور علمائے قرآن کا تقریباً متفقہ فیصلہ ہے کہ یہاں حکمت سے آنحضورؐ کے ذریعہ کی گئی قرآنی تعلیمات کی تشریح و توضیح، شریعت کے احکام کی تفصیل غرض بحیثیت مجموعی سنت رسولؐ مراد ہے[۵] تزکیہ سے مراد لوگوں کی اصلاح و تربیت اور ان طریقوں کا تعین اور ان کی وضاحت ہے، جن کے ذریعہ انھیں قرب الٰہی اور اس کے دین کی حقیقت کے ادراک کی توفیق نصیب ہو سکے۔ یہاں تک تلاوت آیات کے ساتھ تعلیم کتاب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں مولانا امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر تدبر قرآن میں رقم طراز ہیں:

"اب ذرا تعلیم کتاب و حکمت کے الفاظ پر غور فرمائیے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ تعلیم تلاوت سے ایک بالکل مختلف چیز ہے۔ تلاوت آیات تو یہ ہوئی کہ سورت لوگوں کو آگاہ کر دیا کہ خدا نے اس کے اوپر وحی نازل کی ہے، تعلیم یہ ہے کہ نہایت شفقت و توجہ کے ساتھ ہر استعداد کے لوگوں کے لیے اس کی مشکلات کی وضاحت کی جائے۔ اس کے اجمالات کی تشریح کی جائے۔ اس کے مقدرات کھولے جائیں۔ اور اس کے مضمرات بیان کیے جائیں اور اس توضیح و بیان کے بعد بھی اگر لوگوں کے ذہن میں سوالات پیدا ہوں تو اس کے سوالات کے جواب دیے جائیں۔ مزید برآں لوگوں کی ذہنی تربیت کے لیے خود ان کے سامنے سوالات رکھے جائیں اور ان کے جوابات معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ لوگوں کے اندر فکر و تدبر کی صلاحیت اور کتاب الٰہی پر غور کرنے کی استعداد پوری طرح بیدار ہو جائے۔ یہ ساری باتیں تعلیم کے ضروری اجزاء ہیں اور ہر شخص جس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا ہے، اس بات سے اچھی طرح واقف ہے کہ آپ نے اپنے صحابہ کے لیے تعلیم کتاب کے یہ تمام طریقے اپنائے۔" [۶]

اس طرح تعلیم کتاب، تزکیہ نفوس اور تعلیم حکمت کا حضورؐ سے براہ راست تعلق ہے۔ مذکورہ آیت کا آخری جزو "وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ" (اور وہ تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ

جانتے تھے) میں قرآن مجید کی آیات اور اس میں مذکور عقائد و احکام کے ساتھ ساتھ آپ کے اقوال و اعمال بھی آجاتے ہیں۔ مذکورہ آیت کی تشریح و توضیح دوسری آیت سے اس طرح ہوتی ہے۔

يأمرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث ويضع عنهم إصرهم والأغلال التي كانت عليهم فالذين آمنوا به وعزروه ونصروه واتبعوا النور الذي أنزل معه أولئك هم المفلحون [۷]

وہ انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے، اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے، لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔ [۸]

رسول کی اس حیثیت کو واضح اور مستحکم کرنے اور قرآنی حکم پر عمل درآمد کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی لازمی قرار دی گئی، آپ کا اسوہ واجب الاتباع اور آپ کے اقوال و اعمال کو قرآنی تشریح کا درجہ دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وأطيعوا الله وأطيعوا الرسول — اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو

وما أرسلنا من رسول إلا ليطاع بإذن الله [۱۰] — ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے [۱۱]

یہی وجہ ہے کہ رسولوں کو غلطیوں سے مبرا قرار دیا گیا، ان کے اقوال و اعمال کی نگرانی براہ راست اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی اور رسول کی اطاعت خود اپنی اطاعت قرار دی:

عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحداً إلا من ارتضى من رسول فإنه يسلك من بين يديه ومن خلفه رصداً ليعلم أن قد أبلغوا رسالات ربهم وأحاط بما لديهم وأحصى كل شيء عدداً [۱۲]

وہ عالم الغیب ہے، اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس رسول کے جسے اس نے (غیب کا علم دینے کے لیے) پسند کر لیا ہو، تو اس کے آگے اور پیچھے وہ محافظ لگا دیتا ہے تاکہ وہ جان لے کہ انھوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے اور وہ ان کے پورے

وہ ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ایک ایک
چیز کو اس نے گن رکھا ہے۔ [17]

وما ینطق عن الھوی، ان ھو الا
وحی یوحی۔ [18]

وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک
وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے [18]

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ [19]

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل
خدا کی اطاعت کی۔ [20]

قرآن میں جہاں اللہ کی اطاعت کا حکم آیا ہے وہیں رسول کی اطاعت کا حکم آیا ہے۔ قرآن مجید میں اس تصور کو واضح کرنے کے لئے اطاعت رسول ﷺ، اس کی اہمیت، اور رسول کی نافرمانی اور عدم اطاعت کی مخالفت کی آیات نہایت کثرت سے آئی ہیں [21]۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ رسول کی رسالت پر ایمان لاکر، اس پر نازل کردہ کتاب کو کتاب الٰہی مان کر اور اس کے ذریعہ بتائے ہوئے دین پر عمل کرکے ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن ہے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ فرماتے ہیں۔

فمن اطاع محمداً فقد اطاع اللہ
ومن عصی محمداً فقد عصی اللہ
ومحمد فرق بین الناس۔ [22]

جس شخص نے محمد کی اطاعت کی تو اس نے
دراصل اللہ کی اطاعت کی اور جس شخص نے محمد
کی نافرمانی کی اس نے دراصل اللہ کی نافرمانی
اور محمد لوگوں کے درمیان ایک کسوٹی اور وجہ
امتیاز ہیں۔

اس بات کو قرآن میں اس انداز میں کہا گیا ہے۔

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم
عنہ فانتہوا۔ [23]

جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لے لو اور جس چیز
سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ [24]

اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کی اتباع نہ کرنے کو کفر سے تعبیر کیا اور اسے جہنم کی دائمی سزا کی وعید سنائی ہے

قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان
اللہ لا یحب الکافرین [25]

ان سے کہو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کرو
پھر اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ
ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے جو

اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہیں [26]

ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم
خالدین فیہا ابداً۔ [27]

اب جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی بات نہ مانیگا
اس کے لئے جہنم کی آگ ہے اور ایسے لوگ اس میں
ہمیشہ رہیں گے۔ [28]

اگر کسی معاملہ میں کوئی اختلاف ہو جائے تو اس کے تصفیہ کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو حکم بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا
الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم
فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول
ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم
الآخر۔ [29]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور
اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے
صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ
میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف
پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو [30]

اور جب اللہ کا رسول فیصلہ فرما دے تو ایک مومن و مسلم کے لئے اس کے رد و قبول کے سلسلہ میں کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس کی دنیوی و اخروی نجات اس میں مضمر ہے کہ وہ اسے بطیب خاطر قبول کرے۔

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک
فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی
انفسہم حرجاً مما قضیت ویسلموا
تسلیماً۔ [31]

اے محمد! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں
ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں
یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم
فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ محسوس
کریں بلکہ سر بسر تسلیم کرلیں [32]

انما کان قول المؤمنین اذا دعوا
الی اللہ ورسولہ لیحکم بینہم
ان یقولوا سمعنا واطعنا واولئک
ہم المفلحون ومن یطع اللہ ورسولہ
ویخش اللہ ویتقہ فاولئک ہم
الفائزون۔ [33]

ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ
اور رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ رسول ان کے
مقدمہ کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور
اطاعت کی، ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں
اور کامیاب وہی ہیں جو اللہ اور رسول کی فرمانبرداری
کریں اور اللہ سے ڈریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں [34]

ما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبينا[33]

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب ایک اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا[33]۔

قرآن کے مقابلے میں حدیث و سنت کی کیا حیثیت ہے۔ اس کے بارے میں علماء کی تحقیق یہ ہے کہ آپ کی سنت ٹھیک طرح سے آپ کا قرآن سے قولی و عملی اظہار ہے۔

شاہ ولی اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء) فرماتے ہیں

واجتهاده صلى الله عليه وسلم بمنزلة الوحي لان الله تعالى عصمه من ان يتقرر رأيه على الخطاء[34]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد بمنزلہ وحی ہے کیونکہ اللہ نے آپ کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ آپ کی رائے غلطی پر قائم رہے۔

امام الشاطبی[35] (متوفی ۷۹۰ھ) الموافقات فی اصول الشریعۃ میں حدیث و سنت کو قرآن کی مجمل آیات کی تفصیل، مشکل آیات کی تفسیر اور مختصر آیات کی تشریح قرار دیتے ہیں[36]۔ امام الشافعی[37] (متوفی ۲۰۴ھ / ۸۲۰ء) اس کے ساتھ ساتھ سنت کے دائرہ میں ان احکام و معاملات کو بھی شامل کرتے ہیں جو اگرچہ قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں[38]۔

اسلام میں سنت رسول کی اہمیت کو خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف انداز میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كل امتي يدخلون الجنة الا من ابى. قالوا: ومن يأبى؟ قال: من اطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد ابى[39]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کا ہر فرد جنت میں جائے گا سوائے اس کے جس نے میرا انکار کیا۔ لوگوں نے دریافت کیا، انکار کرنے والا کون ہے؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے میرا انکار کیا۔

ایک دوسری حدیث میں آپ نے قرآنی آیت "مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ"[40] کو اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

من اطاعني فقد اطاع الله ومن عصاني فقد عصى الله[41]

جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

اطاعت رسول کا یہی وہ اسلامی تصور ہے کہ جب کبھی آپ کو اس کا احساس ہوا کہ اطاعت رسول اور سنت نبوی کو نظر انداز یا اس سے انحراف کیا جا رہا ہے تو آپ نے اس کا سختی سے نوٹس لیا چاہے یہ معاملہ نیکیوں کی کیفیت و کمیت سے ہی کیوں نہ تعلق رکھتا ہو۔ چنانچہ حضرت انسؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے:

جاء ثلاثة رهط الى ازواج النبي يسألون عن عبادة النبي صلى الله عليه وسلم فلما اخبروها كأنهم تقالوها فقالوا: اين نحن من النبي صلى الله عليه وسلم وقد غفر الله ما تقدم من ذنبه وما تأخر. فقال احدهم: اما انا فاصلي الليل ابدا. وقال آخر: انا اصوم النهار ابدا ولا افطر. وقال الآخر: انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدا. فجاء النبي صلى الله عليه وسلم اليهم فقال: انتم الذين قلتم كذا وكذا، اما والله اني لاخشاكم لله واتقاكم له لكني اصوم وافطر

تین افراد پر مشتمل ایک ٹولی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت گزاری سے متعلق معلومات حاصل کرنے ازواج مطہرات کے پاس پہنچی، ازواج مطہرات نے جب انھیں اس کے بارے میں بتایا تو انھوں نے اسے کم جانا اور کہا: ہمارا رسول صلعم سے کیا مقابلہ؟ اللہ تو آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما چکا ہے۔ ان میں سے ایک نے کہا: میں مسلسل شب بیداری کروں گا اور راتوں میں نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں مسلسل روزے رکھوں گا، روزہ ترک نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں مجرد رہوں گا نکاح نہیں کروں گا۔ آنحضور صلعم ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے دریافت کیا کہ تم ہی وہ لوگ ہو جنھوں نے یہ بات کہی ہے؟ خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا

اصلی وارقد، واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی، [؟]

لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں شب میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ تو جو شخص میری اس سنت سے انحراف کرے گا، اس کا تعلق مجھ سے نہیں ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے آپ فرماتے ہیں:

ما بال رجال یبلغهم عنی امر ترخصت فیه فکرهوه و یتنزهوا عنه فو الله لانا اعلمهم بالله واشدهم له خشیة، [؟]

لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ انھیں میری جانب سے کسی دینی حکم میں رخصت وسہولت سے متعلق کوئی بات معلوم ہوتی ہے تو وہ اسے پسند نہیں کرتے اور اس سے بچتے ہیں، خدا کی قسم! میں خدا کے بارے میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا اور اس سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔

دین کے سلسلہ میں یہی وہ انسانی نفسیات ہے جس کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک موقع پر آپ تنبیہ فرماتے ہیں:

لا تشددوا علی انفسکم فیشدد الله علیکم فان قوما شددوا علی انفسهم فشدد الله علیهم فتلك بقایاهم فی الصوامع والدیار رهبانیة ابتدعوها ما کتبنا ها علیهم [؟]

یعنی دینی امور میں اپنے اوپر غیر ضروری سختی نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ سخت برتاؤ کرے کیونکہ پہلے کچھ لوگوں نے دین کے معاملہ میں اپنے اوپر غیر ضروری سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا۔ تو اب گرجوں اور خانقاہوں کی صورت میں یہ ان کے باقیات ہیں، یہ وہ رہبانیت ہے جس کو انھوں نے از خود ایجاد کیا ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی۔

حجۃ الوداع (۱۰ھ) کے موقع پر اپنی امت کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انی ترکت فیکما امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنة رسوله [؟]

میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک انھیں مضبوطی سے تھامے رہوں گے گمراہ نہ ہو گے، اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔

اس خطرہ کے پیش نظر کہ مبادا کہیں بعد میں حدیث رسول کو وہ اہمیت نہ دی جائے جو کہ فی الواقع ہے، آنحضور پیشگی تنبیہاً ارشاد فرماتے ہیں:

الا هل عسی رجل یبلغه الحدیث عنی وهو متکئ علی اریکته فیقول بیننا و بینکم کتاب الله فما وجدنا فیه حلالا استحللناه وما وجدنا فیه حراما حرمناه الا وانی اوتیت الکتاب ومثله [۹]

سنو! ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کو میری طرف سے کوئی بات پہنچے جبکہ وہ تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھا ہو تو وہ کہے کہ ہمارے اور تمھارے درمیان معتمد کن چیز اللہ کی کتاب ہے تو جو چیز ہم اس میں حلال پائیں گے اسے حلال قرار دیں گے، اور جو چیز اس میں حرام پائیں گے اسے حرام قرار دیں گے۔ سن لو! مجھے کتاب دی گئی ہے اور اس جیسی ایک اور چیز۔

چنانچہ آپ مسائل بیان کرتے، قرآن کی تشریح فرماتے یا کوئی نصیحت فرماتے تو انھیں غور سے سننے کی تلقین فرماتے اور تاکید فرماتے کہ ان باتوں کو یاد کر لو اور جو لوگ یہاں نہیں ہیں ان کو بھی بتا دو۔

تعلیقات وحواشی

[۱] القرآن - الاحزاب ۳۳ : ۲۱ ، اسی سے ملتا جلتا مضمون الممتحنہ ۶۰ : ۴ ، ۶ میں آیا ہے

[۲] القرآن - النساء ۴ : ۱۵۲ ، ۱۵۰

[۳] تلخیص تفہیم القرآن : مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (متوفی ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء) تلخیص مولانا صدرالدین اصلاحی، ص ۱۷۵ ، دہلی اردو، نومبر ۱۹۸۳ء

[۴] القرآن - البقرہ ۲ - ۱۵۱

[۵] تلخیص تفہیم القرآن ص ۵۵

[۶] (۱) سمعت من ارضی من اهل العلم بالقرآن یقول: الحکمة سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

میں نے قرآن پر عبور رکھنے والے اہل علم سے یہ بات سنی ہے کہ حکمت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

الرسالۃ: ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی (متوفی ۲۰۴ھ/۸۲۰ء) ص ۳۲

(۲) الصواب من القول عندنا فی الحکمة — ہمارے نزدیک صحیح ترین قول یہی ہے کہ "حکمت"

"ان احکامه باحکام اللہ الحق لا یدرك علمها الا ببیان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم والمعرفة بها وما دل علیه فی نظائره وهو عندی ماخوذ من الحکم الذی بمعنی الفصل بین الحق والباطل"

سے مراد وہ احکام الٰہی ہیں جن کے بارے میں علم اور واقفیت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یا آپ کے ذریعہ ہونے والے دیگر اقدامات کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے میرے نزدیک یہ لفظ "حکم" سے بنا ہے جس کے معنی حق اور باطل کے درمیان تمیز اور فرق کرنے کے ہیں۔

(تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن معروف بہ تفسیر الطبری؛ ابن جریر الطبری متوفی ۹۲۳ء، سورۃ البقرۃ)

(۳) کتاب الروح، ابن القیم (متوفی ۷۵۵ھ/۱۳۵۰ء)؛ ص ۹۲

۵ تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، تفسیر سورۃ البقرۃ، ص ۲۹۵، ۲۹۶

۸ القرآن، الاعراف ۷: ۱۵۷

۹ یعنی نبی اُمی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حاشیہ از مصنف

۱۰ تلخیص تفہیم القرآن ص ۲۷۹

۱۱ القرآن: المائدہ ۵: ۹۲ ۱۲ القرآن، النساء ۴: ۶۴

۱۳ تلخیص تفہیم القرآن ص ۱۰۰ ۱۴ القرآن، الجن ۷۲: ۲۶-۲۸

۱۵ تلخیص تفہیم القرآن ص ۹۰۱

۱۶ القرآن، النجم ۵۳: ۳-۴ ۱۷ تلخیص تفہیم القرآن ص ۹۲۰

۱۸ شیخ احمد معروف بہ شاہ ولی اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) فرماتے ہیں:

"واجتهاده صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلة الوحی لان اللہ تعالی عصمه من ان یتقرر رأیه علی الخطا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد وحی ہے کیونکہ اللہ نے آپ کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ آپ کی رائے غلطی پر قائم رہے۔

حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ، المبحث السابع مبحث استنباط الشرائع من حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم
باب بیان اقسام علوم النبی، ص ۱۲۸، ایڈیشن ۱۲۸۶ھ، المطبع الصدیقی بریلی

۱۹ القرآن، النساء ۴: ۸۰ ۲۰ تلخیص تفہیم القرآن ص ۱۵۸-۱۵۷

۲۱ القرآن، آل عمران ۳: ۳۲، ۱۳۲؛ النساء ۴: ۱۳-۱۴، ۴۲، ۵۹، ۶۵، ۶۹، ۸۰،
۱۱۵، ۱۳۶، ۱۵۰؛ المائدہ ۵: ۹۲، ۱۵۷؛ الانفال ۸: ۲۰، ۲۴، ۴۶؛
التوبہ ۹: ۷۱؛ النور ۲۴: ۴۸، ۴۷، ۵۲، ۵۱، ۵۴، ۵۶، ۶۳، ۶۲؛
الشعراء ۲۶: ۲۱۶؛ الاحزاب ۳۳: ۲۱، ۳۶، ۶۶، ۷۱؛ محمد ۴۷: ۳۳،
۳۲؛ الفتح ۴۸: ۱۷؛ الحجرات ۴۹: ۱، ۱۴؛ المجادلہ ۵۸: ۱۳؛
الحشر ۵۹: ۷-۸؛ التغابن ۶۴: ۱۲؛ الجن ۷۲: ۲۳؛ المزمل ۷۳: ۱۶؛

۲۲ الجامع الصحیح البخاری، الجزء الثانی، کتاب الاحکام، باب قول اللہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول
واولی الامر منکم، ایڈیشن ۱۳۰۵ھ، المطبع النظامی، کانپور،

۲۳ القرآن، الحشر ۵۹: ۷ ۲۴ تلخیص تفہیم القرآن، ص ۸۵۵

۲۵ القرآن، آل عمران ۳: ۳۲ ۲۶ تلخیص تفہیم القرآن ص ۱۰۲

۲۷ القرآن، الجن ۷۲: ۲۳ ۲۸ تلخیص تفہیم القرآن ص ۹۰۰

۲۹ القرآن، النساء ۴: ۵۹ ۳۰ تلخیص تفہیم القرآن ص ۱۵۳-۱۵۲

۳۱ القرآن، النساء ۴: ۶۵ ۳۲ تلخیص تفہیم القرآن ص ۱۵۴

۳۳ القرآن، النور ۲۴: ۵۱، ۵۲ ۳۴ تلخیص تفہیم القرآن ص ۵۶۴، ۵۶۳

۳۵ القرآن، الاحزاب ۳۳: ۳۶ ۳۶ تلخیص تفہیم القرآن ص ۶۶۳-۶۶۲،

۳۷ حجۃ اللہ البالغہ: شاہ ولی اللہ، الجزء الاول، المبحث السابع مبحث، استنباط الشرائع من حدیث
النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب بیان اقسام علوم النبی ص ۱۳۲

۳۸ ابو اسحاق ابراہیم بن موسی اللخمی الغرناطی المالکی الشاطبی۔

۳۹ "السنة راجعة فی معناها الی الکتاب فهی تفصیل مجمله وبیان مشکله وبسط مختصره"

سنت قرآن مجید کی معنوی تفسیر ہے اس طرح وہ قرآن کی مجمل آیات کی تشریح اور اس کی حل طلب آیات کی وضاحت اور مجمل آیات کی تشریح ہے۔

الموافقات فی اصول الشریعة، الشاطبی ابو اسحاق ابراہیم، ص ۱۲، الجزء الرابع المسألة الثالثة

(۲) ثم علینا بیانہ ، ان نبینہ علی لسانک ۔

قرآنی آیت "ثم علینا بیانہ" (اس کی تشریح کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے) کا مطلب یہ ہے کہ ہم اسکی تشریح تمھاری زبان سے کرائیں گے۔

(الجامع الصحیح للبخاری عن ابن عباس ، الجزء الثانی کتاب التفسیر باب ان علینا جمعہ وقرآنہ)

۲۰ ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعیؒ (متوفی ۲۰۴ھ / ۸۲۰ء)

۲۱ (۱) انما انزل اللہ عزوجل فیہ نص کتاب فسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل نص الکتاب ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو فرائض بیان کئے ہیں انکی تشریح و تعبیر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن امور میں ان سے استدلال کیا ہے۔

(۲) ما انزل اللہ فیہ جملۃ کتاب فبین عن اللہ معنی ما اراد ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں مجمل انداز اختیار کیا ہے، آنحضورؐ نے اسکے مفہوم و مراد کی توضیح و تشریح کی ہے۔

(۳) ما سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما لیس فیہ نص الکتاب ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انجام پائے ہوئے وہ امور جن کے سلسلہ میں کوئی قرآنی نص نہیں ہے۔

(کتاب الرسالۃ : ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی)

۲۲ صحیحین : (۱) الجامع الصحیح البخاری ، الجزء الثانی ، کتاب الاحکام ، باب قول اللہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ۔

(۲) صحیح مسلم : مسلم بن الحجاج القشیری (متوفی ۲۶۱ھ) الجزء الثانی ، کتاب الاعتصام باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقول اللہ واجعلنا للمتقین اماما ۔

(المطبع النظامی کانپور ۱۳۰۹ھ)

۲۳ القرآن ۔ النساء ۴ : ۸۰ ترجمہ "جس نے رسول کی اطاعت کی دراصل اس نے خدا کی اطاعت کی"

تلخیص تفہیم القرآن ص ۱۵۸ - ۱۵۷

۲۴ الجامع الصحیح للبخاری ، الجزء الثانی ، کتاب الاحکام ، باب قول اللہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ،

۲۵ الجامع الصحیح للبخاری ، صحیح مسلم ، مشکوٰۃ المصابیح ، الفصل الاول ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

(بقیہ صفحہ ۳۴ پر)

سرورِ عالمؐ

کسی شخص کو دنیا کا لیڈر دیکھنے کے لئے سب سے پہلی شرط یہ ہوتی چاہئے کہ اس نے کسی خاص قوم یا نسل یا طبقہ کی بھلائی کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کی بھلائی کے لئے کام کیا ہو۔ ایک شخص وطن یا ایک قوم بہت لیڈر کی آپ اس حیثیت سے جتنی چاہیں قدر کرلیں کہ اس نے اپنے لوگوں کی بڑی خدمت کی لیکن اگر آپ اس کے ہم وطن یا ہم قوم نہیں ہیں تو وہ آپ کا لیڈر بہرحال نہیں ہوسکتا۔ جس شخص کی محبت، خیرخواہی اور کارگزاری سب کچھ چین یا جاپان تک محدود ہو، ایک ہندوستانی کو اس سے کیا تعلق کہ وہ اسے اپنا لیڈر مانے؟ اگر وہ اپنی قوم کو دوسروں سے افضل ٹھیراتا ہو اور دوسروں کو گرا کر اپنی قوم کو چڑھانا چاہتا ہو تب تو دوسری قوموں کے لوگ الٹی اس سے نفرت کرنے پر مجبور ہیں۔ ساری قوموں کے انسان کسی ایک شخص کو اپنا لیڈر صرف اسی صورت میں مان سکتے ہیں جبکہ اس کی نگاہ میں سب قومیں اور سب آدمی یکساں ہوں۔ وہ سب کا یکساں خیرخواہ ہو، اور اپنی خیرخواہی میں کسی طرح ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے۔

دوسری اہم شرط جو دنیا کا لیڈر ہونے کے لئے ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ اس نے ایسے اصول پیش کئے ہوں جو ساری دنیا کے انسانوں کے لئے رہنمائی کرتے ہوں۔ اور جن میں انسانی زندگی کے تمام اہم مسائل کا حل موجود ہو۔ لیڈر کے معنی ہی رہنما کے ہیں۔ لیڈر کی ضرورت ہوتی ہی اس لئے ہے کہ وہ فلاح اور بہتری کا راستہ بتائے۔ لہٰذا دنیا کا لیڈر وہی ہو سکتا ہے جو ساری دنیا کے لوگوں کو ایسا طریقہ بتائے جس میں سب کی فلاح ہو۔

تیسری لازمی شرط دنیا کا لیڈر ہونے کے لئے یہ ہے کہ اس کی رہنمائی کسی خاص زمانے کے لئے نہ ہو۔ بلکہ ہر حال اور ہر زمانے میں یکساں مفید، یکساں صحیح اور یکساں قابل پیروی ہو۔ جس لیڈر کی رہنمائی ایک زمانے میں کارآمد اور دوسرے زمانے میں بے کار ہو، اس کو دنیا کا لیڈر نہیں کہا جا سکتا۔ دنیا کا لیڈر تو وہی ہے کہ دنیا جب تک قائم رہے اس کی رہنمائی بھی کارآمد رہے۔

چوتھی اہم ترین شرط یہ ہے کہ اس نے صرف اصول پیش کرنے ہی پر اکتفا نہ کیا ہو بلکہ اپنے پیش کردہ

اصولوں کو زندگی میں عملاً جاری کرکے دکھایا ہو اور ان کی بنیاد پر ایک جیتی جاگتی سوسائٹی پیدا کر دی ہو۔ محض اصول پیش کرنے والا زیادہ سے زیادہ ایک مفکر (THINKER) ہو سکتا ہے، لیڈر نہیں ہو سکتا۔ لیڈر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اپنے اصولوں کو عمل میں لا کر دکھائے۔

آیئے اب ہم دیکھیں کہ یہ چاروں شرطیں اس ہستی میں کہاں تک پائی جاتی ہیں جس کو ہم سرور عالم کہتے ہیں۔ پہلی شرط کو پہلے لیجئے۔ آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کریں۔ تو ایک ہی نظر میں محسوس کر لیں گے کہ کسی قوم پرست یا محب وطن کی زندگی نہیں ہے بلکہ ایک محب انسانیت اور ایک عالمگیر نظریہ رکھنے والے انسان کی زندگی ہے۔ ان کی نگاہ میں تمام انسان یکساں تھے۔ کسی خاندان، کسی طبقے، کسی قوم، کسی نسل یا کسی ملک کے خاص مفاد سے انھیں دلچسپی نہ تھی۔ امیر اور غریب، اونچ اور نیچ، کالے اور گورے، عرب اور غیر عرب، مشرقی اور مغربی، سامی اور آرین، سب کو وہ اس حیثیت سے دیکھتے تھے کہ یہ سب ایک ہی انسانی نسل کے افراد ہیں۔ ان کی زبان سے تمام عمر کوئی ایک لفظ یا ایک فقرہ بھی ایسا نہ نکلا اور نہ زندگی بھر میں کوئی کام انھوں نے ایسا کیا جس سے یہ شبہ کیا جا سکتا ہو کہ انھیں ایک طبقۂ انسانی کے مفاد سے زیادہ تعلق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی ہی میں حبشی، ایرانی، رومی، مصری اور اسرائیلی اسی طرح ان کے رفیق کار بنے جس طرح عرب، اور ان کے بعد زمین کے ہر گوشے میں ہر قوم کے انسانوں نے ان کو اسی طرح اپنا رہنما تسلیم کیا جس طرح خود ان کی اپنی قوم نے۔

اب دوسری اور تیسری شرط کو ایک ساتھ لیجئے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص قوموں اور مخصوص ملکوں کے وقتی اور مقامی مسائل سے بحث کرنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کیا بلکہ اپنی پوری قوت دنیا میں انسانیت کے اس بڑے مسئلے کو حل کرنے میں صرف کر دی جس سے تمام انسانوں کے سارے چھوٹے چھوٹے مسائل خود حل ہو جاتے ہیں۔ وہ بڑا مسئلہ کیا ہے؟ وہ صرف یہ ہے کہ:

"کائنات کا نظام فی الواقع جس اصول پر قائم ہے، انسان کی زندگی کا نظام بھی اسی کے مطابق ہو کیونکہ انسان کائنات کا ایک جزو ہے اور جز کی حرکت کا کل کے خلاف ہونا ہی خرابی کا موجب ہے۔"

اگر آپ اس بات کو سمجھنا چاہتے ہیں تو اس کی آسان صورت یہ ہے کہ اپنی نگاہ کو ذرا کوشش کرکے زمان و مکان کی قیود سے آزاد کر لیجئے، اور چوڑے کرۂ زمین پر اس طرح نظر ڈالئے کہ ابتدا سے آج تک اور آئندہ غیر محدود زمانہ تک بسنے والے تمام انسان بیک وقت آپ کے سامنے ہوں، پھر دیکھئے کہ

انسان کی زندگی میں خرابی کی جتنی صورتیں پیدا ہوئی ہیں یا ہو سکتی ہیں ان سب کی جڑ کیا ہے اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس سوال پر آپ جتنا غور کریں گے، جتنی چھان بین اور تحقیق کریں گے، ماحصل یہی نکلے گا کہ:

"انسان کی خدا سے بغاوت تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔"

اس لئے کہ خدا سے باغی ہو کر انسان لازمی طور پر دو صورتوں میں سے کوئی ایک ہی صورت اختیار کرتا ہے، یا تو وہ اپنے آپ کو خود مختار اور غیر ذمہ دار سمجھ کر من مانی کارروائیاں کرنے لگتا ہے اور یہ چیز اسے ظالم بنا دیتی ہے، یا پھر وہ خدا کے سوا دوسروں کے حکم کے آگے سر جھکا دیتا ہے، اور اس سے دنیا میں فساد کی بے شمار صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں خراب نتائج کیوں نکلتے ہیں؟ اس کا سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا چونکہ حقیقت کے خلاف ہے اس لئے اس کا نتیجہ برا نکلتا ہے۔ یہ ساری کائنات فی الواقع خدا کی سلطنت ہے، زمین، سورج، چاند، ہوا، پانی، روشنی، سب خدا کی ملک ہیں اور انسان اس سلطنت میں پیدائشی بندے (BORN SUBJECT) کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ پوری سلطنت جس نظام پر چل رہی ہے، اگر انسان اس کا ایک جز ہونے کے باوجود اس سے مختلف رویہ اختیار کرے تو لامحالہ اس کا ایسا رویہ تباہ کن نتائج ہی پیدا کرے گا۔ اس کا یہ سمجھنا کہ مجھ سے اوپر کوئی مقتدر اعلیٰ نہیں ہے جس کے سامنے میں جواب دہ ہوں، واقعہ کے خلاف ہے۔ اس لئے جب وہ خود مختار بن کر غیر ذمہ دارانہ طریقہ پر کام کرتا ہے اور اپنا قانون زندگی آپ تجویز کرتا ہے تو نتیجہ برا نکلتا ہے۔ اسی طرح اس کا خدا کے سوا کسی اور کو صاحب اختیار و اقتدار ماننا، اور اس سے خوف یا لالچ رکھنا، اس کی آقائی کے آگے جھک جانا بھی حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ وہ یہ حیثیت نہیں رکھتا۔ لہٰذا اس کا نتیجہ بھی برا ہی نکلتا ہے۔ صحیح نتیجہ برآمد ہونے کی صورت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ زمین و آسمان میں جو حقیقی صورت ہے انسان اس کے سامنے سر جھکا دے، اپنی خودی و خود سری کو اس کے آگے تسلیم کر دے۔ اپنی اطاعت اور بندگی کو اس کے لئے خالص کر دے اور اپنی زندگی کا ضابطہ قانون خود بنانے یا دوسروں سے لینے کے بجائے اس سے لے۔

یہ بنیادی اصلاح کی تجویز ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کے لئے پیش کی ہے، یہ مشرق اور مغرب کی قید سے آزاد ہے، روئے زمین پر جہاں جہاں انسان آباد ہیں یہی ایک اصلاحی تجویز ان کی زندگی کی بگڑی ہوئی کل کو درست کر سکتی ہے۔ اور یہ ماضی و مستقبل کی قید سے بھی آزاد ہے۔

(بقیہ صفحہ ۷۰ پر)

حضرت سعید بن عامر جمحی رضی اللہ عنہ

تحریر:۔ الدکتور عبد الرحمن رافت الباشا ترجمانی:۔ ابو جہاد ادیب

نوجوان سعید بن عامر جمحی ان ہزاروں انسانوں میں سے ایک تھا جو سرداران قریش کی دعوت پر مکہ سے باہر مقام تنعیم پر صحابی رسول حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کے قتل کا تماشا دیکھنے کے لئے اکٹھا ہوئے تھے، جن کو کفار نے غداری سے گرفتار کیا تھا۔

وہ اپنی بھرپور جوانی اور پرجوش شباب کے بل پر مجمع کو دھکیلتا اور اس میں سے اپنے لئے راستہ بناتا ہوا ابو سفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ جیسے روسائے قریش کے پہلو بہ پہلو جا کھڑا ہوا جو اس مجمع میں نمایاں مقام پر کھڑے تھے۔ اس طرح اسے اس بات کا موقع ملا کہ وہ قریش کے قیدی کو دیکھ سکے جو وہاں پابزنجیر لایا گیا تھا جس کو قریش کی عورتیں، بچے اور جوان دھکیلتے ہوئے موت کے میدان کی طرف لا رہے تھے، تاکہ اسے قتل کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام لے سکیں اور جنگ بدر میں مارے جانے والے اپنے اعزہ و اقارب کا بدلہ چکا سکیں۔

جب یہ زبردست ہجوم اپنے قیدی کو لئے ہوئے اس جگہ پہنچ گیا جو اس کے قتل کے لئے بنائی گئی تھی تو نوجوان سعید بن عامر ایک ٹک لگا کر ہجوم کے درمیان سے حضرت خبیب رض کو دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ خبیب کو تختہ دار کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ اس نے عورتوں اور بچوں کی چیخ پکار اور شور وغل کے درمیان سے ابھرتی ہوئی خبیب کی وہ باوقار اور پرسکون آواز سنی جو اس کے پردہ سماعت سے ٹکرائی تھی۔

"اگر تم لوگ چاہو تو قتل سے پہلے مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کا موقع دے دو۔"

پھر سعید نے دیکھا کہ خبیب رض بن عدی نے قبلہ رو ہو کر دو رکعتیں پڑھیں۔ آہ! کیسی حسین اور کتنی مکمل تھیں وہ دو رکعتیں۔ پھر اس نے دیکھا کہ خبیب رض نے زعمائے قریش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"واللہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم میرے متعلق اس بدگمانی میں مبتلا ہو جاؤ گے کہ میں موت سے ڈر کر نماز کو طول دے رہا ہوں تو میں اور بھی اور اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتا۔"

پھر سعید نے بچشم سر اپنی قوم کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ زندہ ہی خبیب رض کا مثلہ کر رہے ہیں، ان کے اعضاء جسم کو یکے بعد دیگرے کاٹ رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہیں "کیا تم یہ بات پسند کرو گے کہ اس وقت محمدؐ تمہاری جگہ یہاں ہوتے اور تم اس تکلیف سے نجات پا جاتے؟"

تو خبیب رض نے جواب دیا (اور اس وقت ان کے جسم سے بے تحاشا خون بہ رہا تھا) "واللہ مجھے تو اتنا بھی گوارا نہیں ہے کہ میں امن و اطمینان کے ساتھ اپنے اہل و عیال میں رہوں اور ان کے پاؤں کے تلوے میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔"

اور یہ سنتے ہی لوگوں نے اپنے ہاتھوں کو فضا میں بلند کرتے ہوئے چیخنا شروع کر دیا۔

"مار ڈالو اسے، قتل کر دو اسے۔"

پھر سعید بن عامر کی آنکھوں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ خبیب رض نے تختہ دار ہی سے اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا۔

اللھم احصھم عددا۔ واقتلھم بددا ولا تغادر منھم احدا۔	خدایا! انھیں ایک ایک کر کے گن لے۔ انھیں منتشر کر کے ہلاک کر اور ان میں کسی کو نہ چھوڑ۔

پھر انھوں نے آخری سانس لی اور روح پاک اپنے رب کے حضور پہنچ گئی۔ اس وقت ان کے جسم پر تلواروں اور نیزوں کے ان گنت زخم تھے۔

اس کے بعد قریش مکہ لوٹ آئے اور بڑے بڑے واقعات و حادثات کے ہجوم میں خبیب رض اور ان کے قتل کا واقعہ ان کے ذہنوں سے اوجھل ہو گیا۔ لیکن نوجوان سعید بن عامر جمحی خبیب رض کی مظلومیت اور ان کے دردناک قتل کے اس دل خراش منظر کو اپنے لوح ذہن سے ایک لمحہ کے لئے محو نہ کر سکا، وہ سوتا تو خواب میں ان کو دیکھتا اور عالم بیداری میں اپنے خیالات میں ان کو موجود پاتا۔ یہ منظر ہر وقت اس کی نگاہوں کے سامنے رہتا کہ خبیب رض تختہ دار کے سامنے بڑے سکون و اطمینان کے ساتھ کھڑے دو رکعتیں ادا کر رہے ہیں۔ اور اس کے پردہ سماعت سے ہر وقت ان کی وہ درد بھری آواز ٹکراتی رہتی، جب قریش کے لئے بددعا کر رہے تھے۔ اور اس کو ہر وقت اس بات کا ڈر لگا رہتا کہ کہیں آسمان سے کوئی بجلی یا کوئی چٹان گر کر اسے ہلاک نہ کر دے۔

پھر خبیب رض نے سعید کو وہ باتیں بتا دیں جو پہلے سے اس کے علم میں نہ تھیں۔ خبیب رض نے اسے

بتایا کہ حقیقی زندگی یہی ہے کہ آدمی ہمیشہ سچے عقیدے کے ساتھ چمٹا رہے اور زندگی کی آخری سانس تک خدا کی راہ میں جد وجہد کرتا رہے۔ خبیبؓ نے سعید کو یہ بھی بتا دیا کہ ایمان راسخ کیسے کیسے حیرت انگیز کارنامے انجام دیتا ہے اور اس سے کتنے محیر العقول افعال ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ خبیبؓ نے سعید کو ایک اور بڑی اہم حقیقت سے آگاہ کیا کہ وہ شخص جس کے ساتھی اس سے، اس طرح ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔ واقعی برحق رسول اور سچا نبی ہے اور اسے آسمانی مدد حاصل ہے۔"

اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے سعید بن عامر کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیا۔ وہ قریش کی ایک مجلس میں پہنچا اور وہاں کھڑے ہو کر قریش اور ان کے کالے کرتوتوں سے اپنی بے تعلقی و نفرت اور ان کے معبودانِ باطل سے اپنی بیزاری و برأت، اور اپنے دخول اسلام کا برملا اور کھلم کھلا اعلان کر دیا۔

اس کے بعد حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اور مستقل طور پر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کر لی۔ اور غزوۂ خیبر اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں آپ کے ہمرکاب رہے۔ اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے جوار رحمت میں منتقل ہو گئے تو حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ آپؐ کے دونوں خلفاء حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں میں شمشیر برہنہ بن گئے۔ اور انھوں نے اپنی تمام جسمانی اور نفسانی خواہشات کو خدائے تعالیٰ کی مرضیات کے تابع کر کے اپنی زندگی کو اس مومن صادق کی زندگی کا نادر اور بے مثال نمونہ بنا کر پیش کیا جس نے دنیوی عیش و عشرت کے عوض آخرت کی ابدی و لافانی کامیابی و فائز المرامی کا سودا کر لیا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں جانشین ان کی نصیحتوں کو بہت غور و توجہ سے سنتے اور ان کی باتوں پر پورا پورا دھیان دیتے تھے۔ ایک بار وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ابتدائی ایام میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نصیحت کرتے ہوئے ان سے کہا،

"عمرؓ! میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ رعایا کے بارے میں ہمیشہ خدائے تعالیٰ سے ڈرتے رہئے اور خدا کے معاملے میں لوگوں کا کوئی خوف نہ کیجئے، اور آپ کے اندر قول و عمل کا تضاد نہ پایا جائے۔ بہترین قول وہی ہے جس کی تصدیق عمل سے ہوتی ہو۔"

انھوں نے سلسلہ گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا۔

"عمر! دور و نزدیک کے ان تمام مسلمانوں پر ہمیشہ اپنی توجہ مرکوز رکھئے جن کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے آپ پر ڈالی ہے۔ اور ان کے لئے وہی باتیں پسند کیجئے جو آپ خود اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے پسند کرتے ہیں۔ اور حق کی راہ میں بڑے سے بڑے خطرے کی بھی پرواہ نہ کیجئے۔ اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کو خاطر میں نہ لایئے۔"

"سعید! یہ سب کس کے بس کی بات ہے؟" حضرت عمرؓ نے ان کی یہ باتیں سن کر کہا۔

"یہ آپ جیسے شخص کے بس کی بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے امت محمدؐ کا ذمہ دار بنایا ہے اور جس کے اور خدا کے درمیان کوئی دوسرا حائل نہیں ہے۔" حضرت سعیدؓ نے کہا۔

اس گفتگو کے بعد خلیفہؓ نے حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ سے حکومت کی ذمہ داریوں کی ادائگی کے سلسلے میں تعاون کی خواہش ظاہر کی اور فرمایا۔

"سعید! میں تم کو حمص کا گورنر بنا رہا ہوں۔"

"عمرؓ! میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں، مجھے آزمائش میں نہ ڈالئے۔" حضرت سعیدؓ نے جواباً عرض کیا۔

ان کا یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قدرے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

"خدا تمھارا بھلا کرے، تم لوگ حکومت کی بھاری ذمہ داریاں میرے سر ڈال کر خود اس سے کنارہ کش ہو جانا چاہتے ہو، خدا کی قسم میں تم کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔"

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حمص کی گورنری ان کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں تمھارے لئے تنخواہ نہ مقرر کر دوں؟"

"امیر المومنین! مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ بیت المال سے جو وظیفہ مجھے ملتا ہے، وہ میری ضروریات سے فاضل ہے۔" حضرت سعیدؓ نے کہا، اور وہ حمص کے لئے روانہ ہو گئے۔

اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد اہل حمص کے کچھ قابل اعتماد لوگوں پر مشتمل ایک وفد حضرت عمرؓ کی خدمت میں باریاب ہوا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ مجھے اپنے یہاں کے فقراء اور حاجتمندوں کے نام لکھ کر دو تاکہ میں ان کی ضروریات کی تکمیل کا کوئی بندوبست کر دوں۔ تعمیل حکم میں انھوں نے خلیفہ کے سامنے جو فہرست پیش کی اس میں تھا، فلاں ابن فلاں اور فلاں ابن فلاں اور سعید بن عامر

سعید بن عامر۔ کون سعید بن عامر؟ حضرت عمرؓ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہمارے گورنر۔" اراکانِ وفد نے جواب دیا۔

"تمہارا گورنر؟ کیا تمہارا گورنر غریب ہے؟" حضرت عمرؓ نے مزید حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں امیر المومنین! خدا کی قسم کتنے ہی دن ایسے گزر جاتے ہیں کہ ان کے گھر میں آگ نہیں جلتی" وفد نے مزید وضاحت کی۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ وہ دیر تک روتے رہے حتیٰ کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر وہ اُٹھے اور ایک ہزار دینار ایک تھیلی میں ڈال کر اسے اراکانِ وفد کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا۔

"سعید سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ امیر المومنین نے یہ مال آپ کے لئے بھیجا ہے تاکہ آپ اس سے اپنی ضرورتیں پوری کریں۔"

وفد کے لوگ دیناروں کی وہ تھیلی لے کر حضرت سعیدؓ کی خدمت میں پہنچے اور اسے ان کے سامنے پیش کر دیا۔ انھوں نے اس تھیلی اور اس میں رکھے ہوئے دیناروں کو اپنے سے دور ہٹاتے ہوئے کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جیسے ان کے اوپر کوئی بڑی مصیبت نازل ہو گئی ہو۔ آواز سن کر ان کی بیوی گھبرائی ہوئی ان کے پاس آئیں اور بولیں۔

"سعید کیا بات ہے؟ کیا امیر المومنینؓ کا انتقال ہو گیا؟"

"نہیں۔ اس سے بھی بڑا حادثہ پیش آیا ہے۔" حضرت سعید نے کہا۔

"کیا کسی جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہو گئی ہے؟" اہلیہ نے سوال کیا۔

"نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑی افتاد آپڑی ہے۔" حضرت سعید نے جواب دیا۔

"اس سے بڑی کیا افتاد ہو سکتی ہے؟" بیوی نے پھر پوچھا۔

"دنیا میرے گھر میں داخل ہو گئی ہے تاکہ میری آخرت کو تباہ کر دے۔" حضرت سعیدؓ نے تشویشناک لہجے میں جواب دیا۔

"اس سے چھٹکارا حاصل کر لو۔" بیوی نے برجستہ مشورہ دیا (ابھی تک وہ دیناروں کے متعلق کچھ نہیں جانتی تھیں۔)

"کیا تم اس معاملے میں میری مدد کر سکتی ہو؟" حضرت سعید نے پوچھا۔

"ہاں، کیوں نہیں۔" بیوی نے جواب دیا۔

پھر حضرت سعید نے تمام دیناروں کو بہت سی چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں رکھ کر انھیں غریب اور حاجت مند مسلمانوں میں تقسیم کروا دیا۔

اس بات کو ابھی کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام کے دورے پر وہاں کے حالات معلوم کرنے کے لئے تشریف لائے۔ اس دورے میں جب آپ حمص پہنچے، (اس زمانے میں حمص کو کُویفہ بھی کہا جاتا تھا۔ اس لئے کہ وہاں کے باشندے بھی اہلِ کوفہ کی طرح اپنے عمال اور حکام کی بکثرت شکایتیں کرنے میں مشہور تھے) تو جب اہلِ حمص خلیفہ سے سلام وملاقات کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خلیفہ نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے اپنے اس نئے امیر کو کیسا پایا؟ جواب میں انھوں نے امیر المومنین کے سامنے حضرت سعید بن عامرؓ کی چار شکایتیں پیش کیں جن میں ہر ایک شکایت دوسری سے بڑی تھی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ

"میں نے ان کو اور سعیدؓ کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ سعیدؓ کے متعلق میرے حسن ظن کو صدمہ نہ پہنچائے، کیونکہ میں ان کے متعلق بہت زیادہ خوش گمان تھا۔ جب شکایت کرنے والے اور ان کے امیر سعید بن عامر میرے پاس یکجا ہو گئے تو میں نے دریافت کیا کہ تم کو اپنے امیر سے کیا شکایت ہے؟

"جب تک خوب دن نہیں چڑھ آتا یہ اپنے گھر سے باہر نہیں نکلتے۔" معترضین نے کہا۔ میں نے سعید سے دریافت کیا کہ سعیدؓ! تم اس شکایت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ سعیدؓ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر بولے خدا کی قسم میں اس بات کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا مگر اس کو ظاہر کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ میرے گھر میں کوئی خادمہ نہیں ہے اس لئے روز سویرے اٹھتا ہوں تو پہلے آٹا گوندھتا ہوں پھر تھوڑی دیر انتظار کرتا ہوں تاکہ اس کا خمیر اٹھ جائے، پھر روٹیاں پکاتا ہوں۔ اس کے بعد وضو کر کے لوگوں کی ضروریات کے لئے باہر نکلتا ہوں۔ میں نے اہل حمص سے پوچھا کہ تمہاری دوسری شکایت کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ،

"یہ رات کے وقت کسی کا جواب نہیں دیتے۔"

میں نے پوچھا کہ "سعید اس شکایت کے متعلق تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" تو انھوں نے کہا کہ "خدا کی قسم میں اس بات کو بھی ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ میں نے دن کے اوقات ان لوگوں کے لئے اور

رات کے اوقات اپنے رب کے لیے مخصوص کر رکھے ہیں۔"

میں نے معترضین سے کہا: "اب تم اپنی تیسری شکایت بیان کرو۔" انھوں نے کہا کہ "یہ مہینے میں ایک روز دن بھر گھر سے باہر نہیں نکلتے۔"

میں نے دریافت کیا کہ سعید تم اس شکایت کا کیا جواب دیتے ہو؟ سعیدؓ نے کہا کہ "امیرالمومنین میرے پاس کوئی خادم نہیں ہے، اور جسم کے ان کپڑوں کے سوا میرے پاس اور کوئی کپڑا نہیں ہے، میں ان کو مہینے میں صرف ایک بار دھوتا ہوں اور ان کے خشک ہونے کا انتظار کرتا ہوں، اور سوکھنے کے بعد دن کے آخری حصے میں انھیں پہن کر باہر آتا ہوں۔"

میں نے معترضین سے کہا کہ اب تم اپنی آخری شکایت بیان کرو۔ انھوں نے کہا کہ "ان کو رہ رہ کر غشی کے شدید دورے پڑتے ہیں اور یہ اپنے گرد و پیش سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔"

میں نے کہا: "سعیدؓ! تمھارے پاس اس شکایت کا کیا جواب ہے؟" انھوں نے جواب دیا کہ میں خبیب بن عدی کے قتل کے وقت موقع پر موجود تھا اور اس وقت میں مشرک تھا میں نے قریش کو دیکھا کہ وہ ان کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹتے جاتے اور ساتھ ہی یہ کہتے جاتے کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ آج تمھاری جگہ پر محمدؐ ہوتے اور تم اس تکلیف سے نجات پا جاتے؟ تو وہ جواب دیتے کہ خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ میں اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے اہل و عیال میں رہوں اور محمدؐ کے تلوؤں میں ایک پھانس بھی لگ جائے۔ خدا کی قسم جب مجھ کو وہ منظر یاد آتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی یاد آتا ہے کہ میں نے اس وقت ان کی مدد کیوں نہ کی تو مجھے اس بات کا شدید خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس کوتاہی کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ اور اسی وقت میرے اوپر غشی طاری ہو جاتی ہے۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے سعیدؓ کے متعلق میرے حسن ظن کو صدمہ نہیں پہنچنے دیا۔"

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے ایک ہزار دینار بھیجے تاکہ ان سے وہ اپنی ضروریات پوری کریں۔ جب ان کی اہلیہ نے ان دیناروں کو دیکھا تو بولیں کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو آپ کی خدمات سے بے نیاز کر دیا، اب آپ اس رقم سے ہمارے لئے ایک غلام اور ایک خادمہ خرید دیجئے۔ یہ سن کر حضرت سعیدؓ نے کہا:

(بقیہ صفحہ ۷۳ پر)

گوشۂ ادب

مولانا حالی کی کتاب
مسدّس حالی

ڈاکٹر صالحہ عابد حسین
ڈاکٹر جمال آرا نظامی

حالی نے چالیس سال کے پختہ سن میں قلمی شاعری شروع کی۔ اور سرسید کی فرمائش پر "مسدس مد و جزر اسلام" لکھ کر مسلمانوں کو بیدار کرنے کا کام انجام دیا۔ اس نظم سے حالی کا وہ دور حیات شروع ہوتا ہے جسے "عشق ملت" کے نام سے تعبیر کرنا چاہئے۔ اس زمانے میں انھیں قومی ہمدردی، درد مندی، اصلاح کے علاوہ انھیں کوئی دھن نہ تھی۔ "مسدس تو کارنامہ تھا وہ "قومی حافظہ" کے تحفظ کا سب سے بڑا نسخہ تھا اور ہوتا بھی۔ اس کے ذریعہ قنوطیت کو دور کر کے زندہ رہنے اور کچھ کرنے کی آرزو کو بیدار کرنا مقصود تھا انھوں نے یاد ماضی سے تعمیر نو کا سامان مہیا کیا۔"

مد و جزر اسلام میں ہماری قوم کے عروج و زوال کی تصویر بھی ہے اور ایک بشارت ازلی بھی یہ مانی ہوئی بات ہے کہ اس کا سہرا سرسید علیہ الرحمۃ کے سر ہے۔ حالی خود مسدس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "زمانے کا نیا ٹھاٹھ دیکھ کر پرانی شاعری سے دل سیر ہو گیا تھا اور جھوٹے ڈھکوسلے باندھنے سے شرم آنے لگی تھی۔ یاروں کے ابھارنے سے دل نہ بڑھتا تھا ایسے موقع پر قوم کے ایک سچے خیر خواہ سرسید نے آکر ملامت کی اور غیرت دلائی کہ حیوان ناطق ہونے کا دعویٰ کرنا اور خدا کی دی ہوئی زبان سے کچھ کام نہ لینا بڑے شرم کی بات ہے۔ قوم کی حالت تباہ ہے۔ عزیز ذلیل ہو گئے ہیں۔ شریف خاک میں مل گئے، علم کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ دین کا صرف نام باقی ہے افلاس کی گھر گھر پکار ہے، اخلاق بالکل بگڑ گئے، تعصب کی گھنگھور گھٹا تمام قوم پر چھائی ہوئی ہے رسم و رواج کی بیڑی ایک ایک کے پاؤں میں پڑی ہے، جہالت اور تقلید سب کی گردن پر سوار ہے، امرا جو قوم کو بہت فائدہ پہنچا سکتے تھے غافل اور بے پرواہ ہیں۔ علما جن کو قوم کی اصلاح میں بڑا دخل ہے زمانہ کی ضرورتوں اور مصلحتوں سے ناواقف ہیں ایسے میں جو بن آئے بہتر ہے۔"

حالی کہتے ہیں کہ سرسید کی جادو بھری تقریر جی میں گھر کر گئی، دل سے نکلی تھی دل میں جا کر ٹھہری، برسوں کی بجھی ہوئی طبیعت میں ایک ولولہ پیدا ہوا، افسردہ دل اور بوسیدہ دماغ سے کام لینا شروع کیا اور ایک مسدس کی بنیاد ڈالی۔ مسدس کا موضوع تاریخی حیثیت رکھتا ہے، ہم معنوں میں مسدس کو ہم ایک آئینۂ تاریخ

جس میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ہم کون تھے اور کیا ہو گئے۔ اردو کی تاریخ میں اتنی طویل نظم اس خوبصورتی کے ساتھ کوئی اور نہیں لکھ سکا۔

حالی کے تمام مضامین تنقید سوانح نگاری سب کے مرکزی نقطہ میں ایک ہم آہنگی ہے۔ ان سب کے نچوڑ میں یہی مشورہ ملتا ہے کہ اے مسلمانو تمہارا ماضی نہایت زریں تھا لیکن آج تم تباہ حال ہو اور اس تباہی کی وجہ سے اجتہاد فکر و عمل سے محروم ہو۔ تم نے فرسودہ روایات کو اپنی تقدیر سمجھ لیا ہے۔ تم وقت کے دھارے پر اپنے بیڑے کو آگے نہیں بڑھا رہے ہو۔ اگر زمانے کی ہوا کی مخالفت کرو گے تو زمانہ تمہیں پیچھے چھوڑ جائے گا۔ اٹھو اور وقت کی نبض پہچانو۔ چونکہ مسدس قوم کا راگ تھا اس لئے اس کے لکھنے کے بعد وہ قومی شاعر اور "مصلح قوم" کے نام سے پکارا جانے لگا۔ ان کی شاعری کو ایران کے مشہور شاعر "شیخ سعدی" کی شاعری کا رتبہ دے کر حالی کو "سعدی ہند" کہنے لگے۔ حقیقت میں وہ اس کے مستحق تھے۔ مسدس حالی پر قلم اٹھاتے وقت بے اختیار یہ بات یاد آجاتی ہے کہ سر سید اسے اپنے لئے سرمایہ نجات خیال کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ "خدا جب مجھ سے پوچھے گا کہ تو کیا لایا میں کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا لایا"۔

اس مختصر مضمون میں نہ تو حالی کے کارناموں کا مکمل احاطہ کیا جا سکتا ہے نہ ان کی دلنواز شخصیت کو پوری طرح خراج عقیدت ادا کرنا ممکن ہے لیکن اتنا ضرور واضح ہو گیا ہوگا کہ بزرگان علی گڑھ میں ایک دیو قامت شخصیت کے مالک تھے اور نہ صرف زبان و ادب بلکہ ملک و قوم میں ان کی خدمات بے حساب ہیں۔ "ماخوذ"

دفعہ ۴۴

دستور ہند کے رہنما اصول کی دفعہ ۴۴ جس میں تمام باشندگان ملک کے لئے یکساں سول کوڈ بنانے کی بات کہی گئی ہے مسلمانوں کے لئے ان کے سروں پر لٹکتی ہوئی ایک تلوار ہے جب تک یہ تلوار مسلمانوں کی گردنوں پر لٹکتی رہے گی ان کا مذہب اور پرسنل لاء غیر محفوظ رہے گا۔ ہم حکومت سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ دفعہ ۴۴ کو حذف کیا جائے۔

"ادارہ"

رپورٹ

غزنی کے معرکہ کا آنکھوں دیکھا حال

اختر افغان

جب روس کے بم بوریں کے ہاتھی بن گئے

مجاہدین نے روسی طیاروں کے برسائے ہوئے بن پھٹے بموں سے بڑی تعداد میں روسی ٹینکوں کو تباہ اور سپاہیوں کو جہنم رسید کر دیا

مجاہدین کی حیرت انگیز حربی ذہانت کے شاہکار واقعہ کی لمحہ بہ لمحہ روداد

غزنی ولایت کا صوبائی دارالخلافہ غزنی شہر کے نام سے موسوم ہے۔ اور واضح رہے کہ یہ وہی غزنی ہے جس سے ذہنی شناسائی پیدا کرنے کے لئے گئے وقتوں میں ہندستان کا تصور شعور کی سطح پر ابھارنا پڑتا تھا۔

غزنی شہر کی آبادی ایک محتاط اندازہ کے مطابق ۲۰ سے ۲۵ ہزار کے لگ بھگ ہے۔ یہاں روسی افواج کی ایک بڑی چھاؤنی اور ایئرپورٹ بھی موجود ہے۔

کابل سے جنوبی مرکزی شاہراہ جو ولایت غزنی سے ہوتی ہوئی قندھار، ہرات اور شمالی ولایات سے گزرتی ہوئی سمنگان اور پھر بغلان کے راستے دوبارہ کابل شہر میں داخل ہوتی ہے، اسی غزنی شہر سے گزرتی ہے۔ یہ شاہراہ غزنی شہر کے دارالحکومت کابل سے رابطہ اور ان دو شہروں کے مابین روسی افواج کی نقل و حرکت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور یہ گزشتہ سات سال سے مجاہدین کی ترکتازیوں کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔

شہر کے اطراف میں قائم حفاظتی چوکیوں کا حصار جس کا مقصد فوراً اندرون شہر کو مجاہدین کے تیز و تند حملوں کی دسترس سے باہر رکھنا تھا، عملاً مجاہدین کے لئے محفوظ گزرگاہوں کا کام دے رہا ہے۔ اکثر چوکیوں کے افسران و عساکر مجاہدین سے منظم طور پر رابطے مستقل رکھتے ہیں، وہ انہیں بخیر و عافیت گزرنے اور دوبارہ اپنے محفوظ مستقر تک واپس پہنچنے میں بھی معاونت کرتے ہیں۔ اندرون شہر مجاہدین کارروائیوں کے لئے موزوں رات کا انتخاب کرتے ہیں۔ ان کے بنیادی اہداف خصوصاً

فوجی مراکز، اسلحہ کے گودام، چھاؤنیاں، ایئرپورٹ، پل چرخی جیل کے عہدیدار، زراعت اور خاد کے دفاتر ہوتے ہیں

جوابی کارروائی کے طور پر روسی فوجی کنوائے، مجاہدین کے زیرِ قبضہ علاقوں میں داخل ہو کر ان کے محفوظ مقامات پر حملہ یا پھر مقامی باشندوں کی آبادیوں کو تہس نہس کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی زد میں آنے کے بعد بوڑھوں، عورتوں، بچوں، مویشیوں اور کھڑی فصلوں میں کوئی تخصیص نہیں رہتی۔ بے جا قتلِ عام اور آتش زنی، لوٹ مار، ان کی بنیادی فوجی تعلیمات کا حصہ بن چکے ہیں۔

اسی طرح کا ایک حملہ ۲۰ اگست کو ولایت غزنی کی اولسوالی "کنفت" پر ہوا۔ اس حملے کا مقصد کنفت قصبے کے باشندوں کو مجاہدین کے ساتھ معاونت کرنے کے "ناقابلِ تلافی جرم" کی سزا دینا تھا۔ حملے کے آغاز سے قبل ایک درجن سے زائد طیارے اور ہیلی کاپٹر مسلسل کے ساتھ بمباری کرتے رہے اور پھر پیادہ افواج اور ٹینکوں کے دستوں نے کنفت کے ۲۰۰ سے زائد مکانات کو ملیا میٹ کر دیا۔ کٹی ہوئی فصل کو جو مختلف مقامات پر ڈھیریوں کی صورت میں موجود تھی نذرِ آتش کر دیا گیا۔ کئی عورتیں اور بچے اور بے شمار مویشی ہلاک کر دیئے گئے۔

جواباً مجاہدین نے کنوائے کے مزید آگے بڑھنے کے منصوبے کو ختم کرنے کے لئے ان کا راستہ روک لیا اور پھر چشمِ فلک نے ایک اور ہولناک جنگ کا نقشہ دیکھا۔ تین دن تک جاری رہنے والی اس جنگ کے نتیجے میں روسی طیاروں کے برسائے ہوئے بن پھٹے ہوئے بموں کے ہی استعمال سے کئی ٹینک و بکتر بند گاڑیاں تباہ اور خاصی تعداد میں روسی سپاہیوں کو جہنم واصل کر دیا گیا۔ بالآخر کنوائے کو بے نیل مرام پسپائی اختیار کرنی پڑی۔

غزنی ولایت، باوجود جنوبی سرحدوں کے قریب ہونے کے ان چند سرحدی ولایتوں میں سے ایک ہے جہاں سے ہجرت اختیار کرنے والوں کی تعداد، دیگر صوبوں سے مقابلتاً خاصی کم ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ خود مقامی مجاہدین کی حکمتِ عملی ہے۔ وہ اپنے آزاد کردہ علاقوں سے آبادی کے انخلا کو جنگی اسٹریٹیجی کے حوالے سے نقصان دہ سمجھتے ہیں، چنانچہ مقامی باشندوں کے اپنے علاقوں میں مستقل رہائش پذیر رہنے سے انھیں جہاں ایک طرف فصلوں کی کاشت کے لئے افرادی قوت، محفوظ پناہ گاہیں، معتبر ذرائع اطلاعات اور نوجوان مجاہدین کی کھیپ تازہ خون کی مانند ملتی رہتی ہے۔ وہاں دوسرے صوبوں کو جانے والے مجاہدین کے کاروانوں کو شب باشی کے لئے محفوظ جائے قیام اور راستے کے متوقع دوری خطرات سے فوری آگاہی

مجاہدین دشمن کے فوجی مراکز، اسلحہ کے گوداموں، چھاؤنیوں، ہوائی اڈوں اور خاد کے دفاتر کو اپنی کارروائیوں کا خاص طور پر نشانہ بناتے ہیں

دوپہر کو بھی حبس آتی ہے۔ پھر یہ کہ مجاہدین کی علاقائی انتظامیہ، اپنے طور پر شمسی ساعت چلانے کا جنگی حکمت اور فوری تجربہ بھی حاصل کرتی ہے۔ گویا یہ مقامی "آبادی" اس پانی کی مانند ہے جس میں مجاہدین مانند ماہی تیرتے رہتے ہیں۔

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں ✦ اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

ولایت غزنی سے قندھار جانے والی شاہراہ پر غزنی شہر سے ذرا آگے ایک ذیلی سڑک جنوبی غزنی کی طرف نکلتی ہے۔ اولسوالی "ناوہ" اسی سڑک کے قریب غزنی شہر سے تقریباً ۸۰ کلومیٹر جنوب میں واقع ہے۔

کمانڈر عبداللہ، غزنی ولایت اور شہر کی داستان بیان کر رہے تھے۔ ان کی باتوں کے سحر میں گزرتے ہوئے ساعتوں کا احساس مٹ چکا تھا اور وقت گویا اپنی جگہ ٹھہر چکا تھا۔

پھر یکبارگی یہ احساس ہوا کہ رات کافی سے زیادہ بھیگ چکی ہے اور ہم نے ایک طویل سفر بھی طے کر کے آنا ہے، چنانچہ ہم نے انتہائی معذرت چاہتے ہوئے بقیہ گفتگو دوسرے دن تک کے لئے ملتوی کرنے کی اجازت اور پھر رخصتی چاہی۔ ع ✦ در چشم زدن محفل یار آخر شد

صوبے کے چیف کمانڈر کے ورچوں میں یہ خیال رہ رہ کر آتا تھا کہ حکومتِ افغان کے ان باشندوں مجاہدین اور سرزمین افغانستان کے لئے جو اس لازوال جدوجہد اور انقلابی تحریک مزاحمت کے آغاز سے قبل سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھے، کاتب تقدیر نے الف سے یا تک عالم اسلام کی سینکڑوں برس کی تاریخ پر پھیلے اجتماعی گناہوں کا کفارہ ادا کرنا لکھ دیا ہے اور یہ مجاہدین ان چشتیے کہ شعوری فیصلہ کر کے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ شاید اسی لئے آج ہر خاندان گھرانے کا افراد، در و دیواروں پر نقش ہو جانے والا "موٹو" (MOTO) یہ کہ "ہر کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست" ہے۔

صبح ابھی شب کی تیرگی رخصت نہیں ہوئی تھی۔ سب لوگ جگا دیئے گئے۔ کمرے کی فضا خاصی سرد تھی لیکن عالم یہ تھا کہ گرم بستر سے باہر نکلنا کار دارد تھا۔ ابھی آنکھوں میں نیند کا خمار باقی تھا کہ ناگاہ فضا بانگ اذان سے گونج اٹھی

صبح گاہی مجاہدین کی یکجہتی کا اظہار [illegible]

نور و صداقت کی بھرپور مظہر ہوتی ہے۔ کہ ”مجھے بہار بار میں تازہ قوت ملی“ اور عام مسلمان تو کیا شجر و حجر بھی تکبیر کی اذان کے سحر کی تاثیر گرفت میں آئے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

نماز کے بعد کمانڈر حبیب اللہ، محمد عبدالجبار، اور استاد حنیف کے ہمراہ عارضی اقامت گاہ میں تشریف لے گئے۔ ایک مرتبہ پھر بخاری میں چوب خشک دہکائی گئی، اور کمانڈر نے شب گزشتہ کا احوال دریافت کیا، اس کے سوا اور کیا کہتے کہ ”دو کو ڈھیر تھیں عالم غفلت میں خواب کی“۔

اسی دوران ایک مجاہد کاغذ میں لپٹا کچھ ماکولات اور ہاتھوں میں تہہ شدہ پلاسٹک کا دسترخوان لئے اندر داخل ہوا اور پھر نان تنور کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے سبز و سیاہ قہوے کے ساتھ زینتِ دسترخوان بنے، یہ مجاہدین کا ناشتہ تھا۔ خیال آیا کہ شاید خوردن برائے زیستن پر عمل کرنے کا ہی اعجاز ہے کہ مجاہدین گزشتہ کئی برسوں سے پہلو تہی کو نکمی جیسے جیسا ادب ہے بیان ہے

هرکه کاهد جو خورد قربان شود
هرکه نورِ حق خورد قرآن شود

ابھی قہوہ نوشی کا عمل جاری تھا کہ دو مجاہدین تیزی سے اندر داخل ہوئے اور کمانڈر سے سرگوشی کی پھر عبداللہ خان اور عبدالجبار نے معذرت کی اور اٹھ کر چلے گئے۔ غالباً کوئی اہم خبر آئی تھی۔ کچھ دیر بعد معلوم ہوا کہ دشمن کے متوقع کنوائے کی آمد کے بارے میں تازہ ترین اطلاعات موصول ہوئی ہیں، کنوائے کی حرکت پر اس کے نقطۂ آغاز سے ہی کڑی نگاہ رکھی جا رہی تھی۔ اس کی لحظہ بہ لحظہ حرکت، سمت، قوت، استعداد، رفتار، ہتھیاروں کی مقدار و کیفیت، سپاہ کی تعداد، اور مجوزہ مقاصد کے بارے میں علاقے کی ہر ٹولی کو ”کنٹرول / قضا و قدر“ وقتاً فوقتاً مطلع کر رہے تھے۔ ع اندھیری شب میں بھی چیتے کی آنکھ ان کا چراغ

مزید پتہ چلا کہ اس کنوائے کا رخ اسی جانب ہے اور اگر وہ اسی رفتار سے چلتا رہا تو اگلے روز دوپہر تک اس علاقے میں پہنچ جائے گا۔

گو مجاہدین کے پاس ۲۴ گھنٹوں سے کچھ زیادہ کی مہلت تھی، جس میں انھیں کنوائے کو روکنے، اس پر حملہ آور ہونے کی منصوبہ بندی اور پھر عمل کرنا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ دشمن نے اپنے کنوائے کی نقل و حرکت خفیہ رکھنے کا پورا اہتمام کیا ہوا ہے ع کس نہ دانست کہ منزل گہِ مقصود کجاست، لیکن یہ جانب انتہائی مہلک ثابت ہوا تھا کہ ”اپنی قدر و قیمت کی ہانک ہر دستے میں دی جا رہی“۔
جنگی مرکز میں حیرت انگیز سرعت اور بے چینی نظر آ رہی تھی اور ہر فرد تیزی سے اپنے فرائض کی انجام دہی

میں مشغول نظر آ رہا تھا، مجاہدین کی برق رفتار پھرتی اور تمتماتے ہوئے چہرے ان کے پیچھے عزائم کا پتہ دیتے تھے۔

چند گھنٹوں کے بعد کمانڈر عبدالجبار نے اطلاعات مجاہدین کو کر کے مجاہدین کا گروپ کو کوچ کے لئے تیار رہنے کی ہدایت دی۔ ہم لوگ نظام قرار دے جانب سے بہت آگے نکل گئے باقی جو بھی تیار بیٹھے ہیں۔ نظام قرار دیا پھر معلوم ہوا کہ تقریباً تمام مجاہدین کا گروپ کمر بستہ کھڑا ہے، آنکھوں میں چمکتی ہوئی بجلیاں اور عزم و ارادہ میں ایک گونہ اطمینان لئے تمام مجاہدین دستیاب اسلحہ سے لیس ہیں۔ اکثریت نوجوانوں کی تھی جن کے روشن تاباں چہرے گھنی سیاہ داڑھیوں سے مزین تھے۔

چند گھوڑے اور خچر کسی بھاری بوجھ سے لدے ہوئے آتے نظر آئے۔ گمان ہوا کہ شاید مجاہدین کچھ بھاری ہتھیار ساتھ لے جا رہے ہیں۔ قریب آئے تو دیکھ کر حیرت ہوئی کہ خچروں پر کسی مخصوص نوعیت کے مشین گن اور گولہ بارود کی جگہ دو عدد وزنی بم رکھے ہیں۔

یہ بم روسی بمباروں کی جانب سے کی جانے والی بمباری کے نتیجے میں گرائے گئے تھے اور کسی وجہ سے پھٹ نہیں پائے۔ ۵۰۰ کلوگرام وزنی یہ بم اب بھی حالت ملک میں زندہ تھے، وہ کسی وقت بھی ذرا سے جھٹکے کے سبب پھٹ سکتے تھے۔

یہ مجاہدین کا خفیہ ہتھیار تھا، اس بھاری ”اسلحہ“ کے علاوہ مجاہدین کے پاس محض دستی ہتھیار اور مشین گنیں تھیں جو ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں، دور مار توپوں اور طیاروں کے مقابلے میں بازیچۂ اطفال کی حیثیت رکھتے تھے، لیکن نظر جنگ گاہ میں بے ساز و سامان جاتا ہے۔ کمانڈر سے ان بموں کا طریق استعمال دریافت کیا تو جواب میں ایک دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ کہا گیا، آپ خود دیکھ لیں گے۔

روانگی سے قبل تمام مجاہدین اجتماعی طور پر مشن کی کامیابی کے لئے دست بدعا ہوئے، کمانڈر نے رقت آمیز لہجے میں بارگاہ ایزدی سے حمایت و نصرت طلب کی اور اسی دوران مجاہدین کی زبانیں ایاک نعبد و ایاک نستعین کی دعا کے ساتھ ہی نعرۂ تکبیر بلند ہوا اور سفر کا آغاز ہوا۔

جنگی ترتیب کے ساتھ ایک طویل مگر قدرے ناہموار زنجیر بنائی گئی قطار کی صورت میں مجاہدین نے اپنے قدم بڑھائے۔

سورج عین سر پہ چمک رہا تھا، دھوپ کی خوشگوار حدت مسلسل پیدل چلنے کے سبب شدت میں تبدیل ہوتی لگتی تھی، طویل، پیچ کھاتا اور پگڈنڈی نما راستہ کبھی سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا کسی پہاڑ پر چڑھ

ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے لیس دشمن کے قافلوں کو ٹھکانے لگانے کی تیاریوں کیلئے مجاہدین کے پاس ۲۴ گھنٹے کی مہلت تھی

جاتا اور کبھی کسی دراز تر قافلہ کی مانند کسی وادی کی پہنائیوں میں گم ہو جاتا۔ کہیں کہیں اُجڑی ہوئی مختصر بستیاں اور کھنڈرات پر مشتمل گاؤں۔ افغان روس دوستی کی زندہ علامتوں کے نشان اپنے ہاتھوں پر سجائے سامنے آجاتے۔ اکثر مقامات پر لوگ اب بھی موجود تھے اور اکا دکا، دوبارہ یا سہ بارہ تعمیر کیے گئے گھر، ملبہ و چھت کو پیکر بنے سینہ تانے کھڑے نظر آتے تھے۔ آباد ایک گھر ہے جہاں خراب ہیں

لیکن وہی ایک گھرانہ ہمارے استقبال کو جمع ہو جاتا۔ ان کی بوڑھی آنکھوں میں احساس تشکر و افتخار اور اپنے بیٹوں کی سلامتی کے لئے مجسم دعا بنے، پیکر انسانی بھلائے نہیں بھولتے۔ ہر جگہ سلام کے جواب میں طویل دعائیہ کلمات اور کچھ دیر ٹھہر جانے کی خواہش کرنے کی، دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی درخواست پیش کی جاتی کمانڈر وقت کی کمی کے سبب ہر جگہ معذرت کر لیتے۔ جگہ جگہ ملنے والی دعاؤں کی سوغات سے دامن دل بھرتے۔ جب ایک پہاڑ کی ڈھلان پر پہنچے تو نیچے گہرائی میں بہتے پانی کا شور سنائی دیا، یہ ایک پرشور پہاڑی نالہ تھا جس کا شوریدہ سر پانی بلندی سے بہتا ہوا جگہ جگہ خود دو تنگ و ف چٹانوں سے ٹکراتا، بڑی تیزی سے رواں دواں تھا۔

وہ جوئے کوہستاں اچکتی ہوئی
اٹکتی، لچکتی، سرکتی ہوئی
اچھلتی پھسلتی سنبھلتی ہوئی
بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی
رکے جب تو سل چیر دیتی ہے یہ
پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ

کمانڈر نے سب کو احتیاطاً بارش کا سگنل دیا، جس پر نہایت محتاط انداز میں اسے پار کیا گیا۔ نالے کی دوسری جانب گھنے درختوں کا ایک مختصر جھنڈ تھا، جہاں کچھ دیر کے لئے پڑاؤ ڈال دیا گیا۔ گرد و پیش کے درختوں کی چھاؤں میں خودرو گھاس پر بیٹھتے ہی، کمانڈر سمیت چند مجاہدین ریکی کرنے آگے نکل گئے باقی آرام کرنے لگے۔ ذرا سی دیر

میں سبز پوشوں کی جیبوں سے خشک لپٹی ہوئی روٹیاں اور جھولوں میں لٹکی ہوئی پانی کی بوتلیں نکل آئیں۔ کسی کسی مجاہد کے پاس گڑ کی ڈلیاں بھی موجود تھیں۔ جو مشترکہ دسترخوان پر سجا دی گئیں۔ روٹی، پانی اور گڑ پر مشتمل اس "نان چاشت" کا لطف سہ آتشہ تھا۔ کھانے سے فراغت کے بعد ایک نوعمر مجاہد نے مترنم لہجے میں ترانۂ جہاد الاپنا شروع کر دیا۔ بقیہ چہروں پر نرم مسکراہٹیں سجائے حوصلہ افزا نظروں سے اسے دیکھتے رہے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے، ایک مجاہد اٹھا اور اس نے ظہر کی اذان بآواز بلند دینی شروع کر دی۔ نماز کے لئے صفیں درست ہوئیں تو کچھ مجاہدین پہرے پر کھڑے ہو گئے، باجماعت نماز کی ادائیگی کے بعد پہرے داروں نے اپنی نماز ادا کی اور پھر سب دوبارہ بغرض استراحت فرش خاکی پر دراز ہو گئے۔

انہیں دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ دنیاوی زندگی کے علائق سے تو ان کا انقطاع کار دبار حیات کی آگہی ان کی اور عمری مشغولیتوں کا ایک تم تعلق بھی ان کے دامن دل کو کھینچنے میں یکسر ناکام رہا ہے اور اس پر بھی امیر یہ قلیل اور وقتی ضد خلیل، لکھتے ہیں، یقیناً اقبال نے انہی کے لئے کہا تھا۔

مست بادہ گر حق ہے ہی مٹ گیا، نگہیں جس کے جوانوں کو بے نقاب ہیں

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد کمانڈر بھی واپس پہنچ گئے، اور پھر چند لمحوں بعد، دوبارہ اذن روانگی ملا۔ عصر سے کچھ پہلے ہم دو اونچی چٹانوں کے درمیان جن کا سلسلہ عقب میں بلند پہاڑوں سے جا ملتا تھا، موجود تھے۔ تنگ لیکن ہموار اور پیچ دار راستے کے عین سر پر جا پہنچے۔ جب ہماری منزل تھی، اور یہیں آگے، دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ چٹانوں کے پہلوؤں میں بنے ہوئے قدرتی راستوں، اور ڈھلانوں پر احتیاط سے قدم دھرتے ہوئے نصف سے زیادہ مجاہدین نیچے جا پہنچے تقریباً ۴۰ سے ۵۰ فٹ چوڑی، اور کچی زمین پر بھاری گاڑیوں کے بہت دھندلے نشانات اب بھی دیکھے جا سکتے تھے۔ دور کہیں بہتے چشمے کا ہلکا ہلکا شور تسلسل سے سنائی دے رہا تھا۔ مجاہدین مختلف اطراف میں ہر طرف پھیل گئے اور اس قطعہ زمین کا بغور جائزہ لیا جانے لگا۔

کمانڈر کا سنجیدہ چہرا، ماتھے پر ابھری ہوئی لکیریں اور دھیمے لیکن مضبوط لہجے میں صادر ہوتے احکامات صورت حال کے گمبھیر ہونے کی عکاسی کرتے تھے۔ جلد ہی کمانڈر نے دو مختلف مقامات پر نشان لگائے اور ساتھ ہی گڑھا ڈالنے کی کدال کی دو سے تیزی سے ضربیں لگنی شروع ہو گئیں۔ سورج غروب ہونے سے کچھ پیشتر گڑھوں کا کام مکمل ہو گیا۔ اسی دوران میں دو نوجوانوں کو ایک طویل لیکن آسان راستے سے جائے مقررہ پر بھیجا گیا تھا۔ مجاہدین نے نہایت احتیاط سے خچروں پر لدے ہوئے بم اتارے، کمانڈر نے بڑی سبک دستی سے

پانچ سو کلو گرام وزنی بموں کو زمین میں آدھا گاڑ دیا گیا

اور زیر زمین تاروں کی مدد سے بیٹری سے جوڑ دیا گیا

ان میں فیوز لگائے جن میں بجلی کی تاریں بھی لگی ہوئی تھیں۔ پھر سب لوگوں نے بموں کو بغیر ٹھیس پہنچائے کسی آبگینے کی مانند اٹھوا کے گڑھوں میں رکھ دیا۔ یہ مختصر گڑھے بہت تنگ تھے اس کے سبب بموں کی وسیع جسامت کو اپنے اندر سمونے سے قاصر رہے اور یوں ان کا نصف سے کچھ کم حصہ باہر ہی رہا۔

دونوں گڑھوں کے پہلوؤں میں ایک ایک لمبی نالی کھودی گئی تھی جو خاصی دور تک چٹانوں کی جڑ میں سفر طے کرتی گئی تھیں۔ ان نالیوں میں بڑی سرعت سے بجلی کے تار بچھائے اور ان کا سلسلہ بموں میں لگائے گئے فیوز کی تاروں سے جوڑ دیا گیا۔

دونوں گڑھوں اور نالیوں میں تیزی سے مٹی بھری گئی۔ تاروں کا زیر زمین سلسلہ دور تک پہنچایا گیا اور پھر ایک محفوظ مقام پر جہاں چٹانوں کی اوٹ میسر تھی اسے اوپر لے جایا گیا۔

اسی اثنا میں دو مجاہدوں نے انسانی ہاتھوں کی کاریگری اور قدموں کے نشانات جو کچی زمین پر پڑ گئے تھے مٹانے شروع کر دیئے۔

اب نصف سے زیادہ دھنسے ہوئے بم خاصی دور سے دیکھے جا سکتے تھے اور ایسا محسوس ہوتا تھا گویا جہاز سے گرائے جانے کے بعد یہ بم کسی خرابی کی بنا پر پھٹ نہیں پائے لیکن تیزی سے گرنے کے سبب زمین میں دھنس گئے ہیں۔

جائے واردات سے خاصی دور ہٹ کر چٹانوں کے درمیان ایک محفوظ لیکن کھلی جگہ پر شب بسری کا فیصلہ ہوا۔ عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد عشائیے کا اہتمام ہوا۔ چند پتھروں کی اوٹ میں آگ سلگا کر قہوہ تیار کیا گیا۔ اور ایک چادر میں لپٹے ہوئے نان جو خشک ہو گئے، دو روز پیشتر یقیناً تازہ ہوں گے لیکن اب تو بعض پر پھپھوندی بھی لگ چکی تھی، بڑھی ہوئی اشتہا کے سبب بڑے شوق سے نوش فرمائے گئے۔ سفری بستر ترتیب سے بچھا دیئے گئے اور پہرے داروں نے اپنی جگہ سنبھال لی۔ شب کا خفیہ لفظ مقرر کر دیا گیا تھا۔

استراحت کے لئے لیٹے تو تاروں بھرے آسمان کی ردا اوڑھے ہواؤں نے سرگوشیاں شروع کر دیں۔

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہمنشیں ہو تو محمل نہ کر قبول
اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

اس وقت جمعیت دقت کی کش مکش سے یکسر فارغ اور دل فکر ایسی دقت سے بالکل آسودہ تھا۔ یہ احساس بڑی شدت سے جاگزیں ہونے لگا کہ یہ مجاہد جو مقصد کا پا بگل ہو کر کانٹوں کی راہ پر چل رہے ہیں۔ کانٹے کبھی دامن سے الجھتے ہیں کبھی تلووں میں چبھتے ہیں لیکن مقصد کی خلش جو ان کے پہلو کے دل میں مسلسل چبھتی رہتی ہے، نہ دامن تار تار کی خبر لینے دیتی ہے نہ زخمی تلووں کی۔

شاید اسی لئے گزرتے ہوئے ایام کے ورق پر یہ مجاہد اپنے فروزاں لہو سے آنے والی نسلوں کے لئے تاریخ کا نہایت چمکتا دمکتا باب تحریر کر رہے ہیں ؎

زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے — انہی کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری

مرکز سے چلے ہوئے چند ارکان گروپ بھی رات کے کسی حصے میں یہاں پہنچ گئے تھے اور ہم سے کچھ دور پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔

اگلے روز جبکہ ابھی خورشید زرفام نے افق کی گود سے جھانکنا شروع ہی کیا تھا کمانڈر نے مختلف گروپوں کو ان کے وظائف تفصیل سے سمجھا کر انہیں مختلف مقامات پر متعین کر دیا اور اب اپنی مخصوص پوزیشن پر موجود پہنچ کر دستی وائرلیس سیٹ کی مدد سے مختلف نوعیت کی ہدایات کے اجراء میں مشغول تھے۔

تھوڑی دیر بعد، کمانڈر اپنے گروپ کے ایک اونچی چٹان کی اوٹ میں جہاں سے مجوزہ مقام واردات کا منظر نہایت واضح نظر آتا تھا پہنچ گئے۔ ساتھ لائے گئے سامان میں ہاتھ سے چلایا جانے والا ایک برقی جنریٹر اور ایک طاقتور بیٹری بھی شامل تھی۔

اب بموں کو دھماکے سے اڑانے کے لئے ان سے منسلک طویل تاروں کے سروں کو بیٹری سے منسلک کرنے کی دیر تھی۔ بیٹری میں کسی خرابی کی صورت میں برقی رو کی سپلائی کو متواتر اور بحال رکھنے کے لئے احتیاطاً دستی جنریٹر بھی ساتھ ہی دھرا تھا۔

کمانڈر نے سارے معاملات کو ایک مرتبہ پھر چیک کیا۔ گروپوں کی پوزیشن، تاریں، بیٹری اور جنریٹر

کنوائے کے متعین مقام پر پہنچتے ہی ایک مجاہد نے سوئچ آن کیا اور پھر قیامت ٹوٹ پڑی

کی حالت میں کر دی اور پھر ساتھ لائے گئے دستی اسلحہ کا انفرادی معائنہ کا حکم صادر ہوا۔

پھر کمانڈر نے تمام گروپوں سے ایک ایک جگہ ادا کی۔ اس کے ساتھ ہی وائرلیس سیٹ بند کر دیا گیا تاکہ دشمن کے طاقتور وائرلیس سٹیشن پر کسی نوعیت کی غیر معمولی سرگرمی یا گفتگو کا اشارہ نشر نہ ہو جائے۔ دوران جنگ باہمی رابطوں اور گروپ کے متعینہ وقت پر حملے کی تمام منصوبہ بندی اور تفصیلات پہلے ہی طے کی جا چکی تھیں چنانچہ ہر کوئی اپنی اپنی جگہ اپنے فرائض سے بخوبی واقف تھا۔

الانتظار اشد من الموت کی عملی تفسیر بنی اور دن بھی بیت گیا۔ فضا میں ہر سو کامل سکوت کا پردہ تنا ہوا تھا جسے کبھی کبھی کسی اڑتے ہوئے پرندے کی چہکار ارتعاش پیدا کر دیتی۔

بالآخر وہ گھڑی آن پہنچی جب مجاہدین کے حساس کانوں نے نہایت مدھم گڑگڑاہٹ محسوس کی جو ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کی حرکت سے پیدا ہو رہی تھی۔ آواز سنتے ہی بے چینی یک لخت کافور ہو گئی اور ہر فرد چاک و چوبند نظر آنے لگا۔ بہرحال دوبارہ متعین مجاہدین نے تیزی سے اپنی اپنی جگہ سنبھالی اور مستعدی سے کمانڈر کے اشارے کا انتظار کرنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد دو چٹانوں کے درمیان گرد کے بادل اٹھتے نظر آئے۔ مدھم گڑگڑاہٹ پرشور آوازوں میں تبدیل ہونے لگی اس کے ساتھ ہی فضا کا سکون و ٹھہراؤ اور چہار سو چھائی ہوئی خاموشی کے سینے میں شگاف پڑنے لگے۔

جونہی کنوائے کی پہلی گاڑیاں نظر آئیں، آگے سب سے موجود بکتر بند گاڑی نے دور سے بموں کو دیکھا تو وہیں ٹھہر گئی۔ اس کے ساتھ ہی بقیہ کنوائے بھی اپنی جگہ ساکت ہو گیا پھر اچانک گاڑیوں پر سوار ہو کر چند سپاہی اپنی گنیں سنبھالے نیچے اترے اور نمایاں احساس جھجکاہٹ کے ساتھ بموں کی جانب بڑھتے دکھائی دیئے۔ جبکہ مزید کچھ اور سپاہیوں نے کنوائے کی دونوں طرف پوزیشن سنبھال لیں۔ ادھر تھوڑے سے توقف کے بعد سپاہی مزید آگے بڑھے اور قریب آ کر بموں کو بغور دیکھنے لگے۔ پھر ان میں سے ایک واپس مڑا اور بکتر بند گاڑی کے قریب پہنچ کر اپنے کمانڈر کو

کو صورت حال سے آگاہ کرنے لگا جب وہ دوبارہ پلٹا تو اس کے ساتھ بکتر بند گاڑی کا کمانڈر بھی تھا۔ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے وہ اس مقام تک پہنچے جہاں دیگر سپاہی بموں کے اطراف میں بیٹھ کر کسی ممکنہ خطرے کو سونگھنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ روسی کمانڈر نے بموں کا بنظر غائر معائنہ کیا۔ پھر اس نے اندازہ لگایا کہ بموں اور دائیں کی طرف کی چٹانوں کی درمیانی جگہ سے پورا کنوائے بخوبی گزر سکتا ہے۔ غالباً بموں کی جانب سے کسی امکانی خطرے کے رجحان کو اس نے نظر انداز کر دیا تھا۔ کیونکہ اس انداز میں دھنسے ہوئے بم پورے افغانستان میں جا بجا دکھائی دیتے ہیں۔

چنانچہ اس نے تمام سپاہیوں کو واپسی کا اشارہ کر دیا اور وہ دوبارہ اپنی گاڑی میں آ سوار ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد کنوائے نے دوبارہ حرکت شروع کی۔ لمبی قطار رینگتی ہوئی دائیں جانب کی چٹانوں کے ساتھ لگ گئی تاکہ بموں اور چٹانوں کے درمیان موجود گنجائش سے آسانی سے نکلا جائے۔ اب کنوائے خطرناک بموں کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

کمانڈر عبداللہ تمام صورت حال کا جائزہ دوربین کے ذریعے لے رہے تھے۔ کنوائے کی دوبارہ حرکت کے آغاز کے ساتھ ہی انہوں نے ایک لمبی سانس لی اور کسی قدر مطمئن نظر آنے لگے۔ انہیں اپنے منصوبے کے پہلے مرحلے کے بخیر و خوبی طے ہو جانے کا اطمینان ہو گیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پہلی بکتر بند گاڑی نے بموں کو بائیں پہلو کی جانب سے عبور کیا، اور پھر یکے بعد دیگرے ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں اور ٹرکوں نے انہیں پیچھے چھوڑنا شروع کر دیا۔ کنوائے کی ہر دو گاڑیوں کے درمیان قدرے فاصلہ رکھا گیا تھا تاکہ کسی حملے کی صورت میں نقصان واحد ہی رہے۔

ادھر دونوں بم بظاہر جکڑی ہوئی کیفیت میں بے بسی اور بیچارگی کی تصویر بنے کھڑے تھے۔ دو یا تین ٹینکوں اور گاڑیوں کے بموں کو عبور کرنے کے بعد بقیہ کنوائے اب قدرے بے فکری اور آہستگی سے گزر رہا تھا اس کے ساتھ ساتھ وہ فضا میں اڑتے ہوئے ہیلی کاپٹروں کی آواز بھی پردہ سماعت کو چھونے لگی تھی اور پھر وہ لمحہ آن پہنچا جس کے انتظار میں شاید صدیاں بیت چکی تھیں۔ کمانڈر نے تیزی سے اشارہ کیا متعلقہ مجاہد نے جو کئی ساعتوں سے اسی لمحے کا منتظر تھا، برق کی سی تیزی سے برقی تاروں اور بیٹری کو وصل بخش دیا ...... خیرہ کر دینے والی روشنی کے ساتھ کانوں کے پردے پھاڑ دینے والا دھماکہ ہوا اور پوری فضا گرد و غبار اور دھوئیں، آہن و فولاد کے ٹکڑوں اور انسانی چیخوں سے بھر گئی... دھماکہ

وزنی دونوں بموں نے شدید تباہی مچادی تھی۔ ان کی زد میں آئے ہوئے ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے پرخچے اڑ رہے تھے جلتے ہوئے ٹکڑے اڑ اڑ کر دوسری گاڑیوں کو اپنا نشانہ بنا رہے تھے۔

پھر ایک ساتھ دور دور تک پھیلی ہوئی چٹانی چوٹیوں سے فلک شگاف نعرۂ تکبیر بلند ہوا۔

وہ نعرہ کہ دہل جاتا ہے جس سے دل کہسار

اور اس کے ساتھ ہی مجاہدین نے راکٹوں کی بارش برسانی شروع کی اور کچھ مجاہدین نے ہلکی مشین گنوں کے دہانے کھول دئیے۔

ادھر پورے کونوائے پر گویا حالت سکتہ طاری تھی ابتدائی چند گھڑیوں تک تو ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا اور تمام گاڑیاں اپنی جگہ ساکت ہو گئیں، پھر کونوائے کے درمیانی حصے پر ٹوٹ پڑنے والی آفت ناگہانی کا احساس ہوتے ہی بیشتر سپاہی اپنی اپنی گاڑیوں سے کود کر بھاگنے لگے۔ ہر کوئی کسی محفوظ جگہ یا پناہ گاہ کی تلاش میں تھا سپاہیوں کے گاڑیوں سے اترتے ہی مجاہدین نے اپنے حملوں میں مزید شدت پیدا کر دی۔

کونوائے کی ابتر حالت سپاہیوں اور افسروں کی چیخ و پکار، بھگدڑ، بموں کے دھماکوں اور وقفے وقفے سے بلند ہونے والے نعرۂ تکبیر نے عجیب سماں باندھ دیا تھا۔

تباہ ہونے والے ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے ملبے نے پورا راستہ مسدود کر دیا تھا جبکہ کونوائے کا اگلا حصہ جو دھماکے کے وقت آگے نکل چکا تھا، اب بری طرح پھنس چکا تھا۔

ادھر جانب دشمن بڑے ماہرین کا اس حالت میں مجاہدین کی طرف سے برستی ہوئی آتش و آہن کی بارش بستور جاری تھی "گویا وہ" کھاؤں کدھر کی چوٹ، بچاؤں کدھر کی چوٹ" میں شدت سے مبتلا تھے۔

ادھر کونوائے کے پچھلے حصے میں ٹینکوں نے اندھوں کی مانند ٹٹول ٹٹول کر پہاڑی ٹیلوں کا رخ مجاہدین کے ٹھکانوں کی جانب کیا اور گولہ باری شروع کر دی۔

اس طرف موجود مجاہدین کے کچھ گروپوں نے اپنی راکٹ لانچر کا رخ فوراً اس جانب موڑ دیا اور مقابلے میں مزید شدت پیدا ہو گئی۔

ادھر اگلے حصے میں بیشتر ٹینک، بکتر بند گاڑیاں، اور ان میں موجود سپاہی دو دیگر گروپ مجاہدین کے تیز و تند حملوں کا نشانہ بن کر بری طرح تباہ ہو چکے تھے، جا بجا لاشوں کی ڈھیریں بکھری ہوئی تھیں، کہیں کہیں بھڑکتی ہوئی آگ اور اٹھتے ہوئے گہرے سیاہ دھوئیں کے بادلوں نے پوری فضا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، میدان جنگ کا ہیڑوں کی آوازیں تیز ہونے لگیں۔ ہر طرف چیخے اور اوپر کی طرف سیاہ دھوئیں کے سبب شاید

تحریر: میکس مائر ہاف
ترجمہ و تلخیص: عبدالباری فلاحی
ہمدرد نگر، نئی دہلی۔

طب اسلامی

دوسری قسط

دور زریں (۹۰۰ تا ۱۱۰۰ء) دور تراجم کے بعد عالم اسلام کے اطباء اور سائنسدانوں نے یونانی علم کی مستحکم بنیاد پر اپنے قدم جمادیے جس کے فروغ میں ہندوستانی اور ایرانی فکر و تجربہ کا بہت بڑا حصہ تھا۔ ان کا کام اگرچہ بہت زیادہ تخلیقی نوعیت کا نہیں تھا پھر بھی ایک حد تک ٹھوس اور تحقیقی کہا جا سکتا ہے۔ اسی دور سے ان کے اندر خود اعتمادی اور اپنے ہی وسائل کی مدد سے ترقی کرنے کا احساس پیدا ہونا شروع ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ سائنسی علوم بالخصوص طب عیسائیوں اور صابیوں کے ہاتھوں سے نکل کر مسلمانوں بلکہ زیادہ تر اہل فارس کے قبضہ میں آ گئے۔ طب میں کناش (Pandects) کی جگہ پر ہمیں انسائیکلوپیڈیا کے طرز پر کتابیں ملتی ہیں جنہیں قدیم نسلوں کے علم کو بہت ہی [illegible] انداز میں تقسیم کیا گیا ہے۔

اس نئے اسکول کے مصنفین میں پہلا عظیم مصنف رازی (۸۶۵ - ۹۲۵) ہے جس نے انسائیکلوپیڈیا کے طرز پر کتاب لکھی ہے۔ لاطینی زبان میں اس کو Rhazes کہتے ہیں۔ وہ تہران کے قریب رے (Rayy) میں پیدا ہوا وہ بلاشبہ عالم اسلام کا عظیم ترین طبیب تھا۔ اس نے حنین بن اسحٰق کے ایک شاگرد سے بغداد میں تعلیم حاصل کی جو کہ خود یونانی، سریانی اور ہندوستانی طب سے بخوبی آشنا تھا۔ اپنے عنفوان شباب میں کیمیاگر کی حیثیت سے کام کرتا تھا لیکن بعد میں جب اس کی شہرت دور دراز علاقوں میں پھیل گئی اور مغربی ایشیا کے مختلف حصوں سے مریض اور شاگرد آنے لگے تو اس نے کیمیا سازی چھوڑ دی اور علم طب کے حصول میں مصروف ہو گیا۔ اس کی تبحر علمی اور سائنسی کارناموں کا بہت ہی شہرہ تھا اس کی تصنیفات کی تعداد تقریباً ۲۰۰ سے زائد ہے جن میں سو کتابیں طب کے موضوع پر مشتمل ہیں۔

طب سے متعلق رازی کی جو تحریریں ہیں ان میں ایک عارضی صنعت کے بہت سے مختصر رسالہ جات ([illegible]) بھی شامل ہیں۔ ان کے عنوانات انسانی عنصر کے اندر ایک ایسی کیفیت پیدا کرتے ہیں جو کہ ایک [illegible] مضمون قارئین کے اندر پیدا کر سکتا ہے، مثال کے طور پر اس کے کچھ دلچسپ

موضوعات حسب ذیل ہیں:

۱۔ فی أن الطبیب الحاذق لیس یقدر علی ابراء العلل کلہا وان ذلک لیس فی وسع البشر

۲۔ فی العلۃ التی لہا ترک بعض الناس ودعاہم الطبیب وان کان حاذقا

۳۔ فی العلۃ التی لہا ینجح جہال الاطباء والعوام والنساء اکثر من العلماء

دوسرے رسائل اور مقالات (۲۷۷ و ۲۷۶ وغیرہ) میں الگ الگ بیماریوں کا ذکر ہے۔ مثلاً گردے اور مثانے کی پتھری کا بیان جو کہ مشرق قریب میں بہت زیادہ عام بیماری تھی۔ کچھ رسالے علم تشریح پر مشتمل ہیں لیکن رازی کی کتاب "الجدری والحصبہ" کافی مقبول و معروف ہے علمائے یورپ نے اس کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اولاً اس کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا اس کے بعد انگریزی اور دیگر متعدد زبانوں میں شائع ہوئی۔ لاطینی ترجمہ ۱۴۹۸ء اور ۱۸۶۶ء کے درمیان تقریباً چالیس بار یورپ کے مختلف شہروں میں طبع ہوا۔ رازی پہلا شخص ہے جس نے چیچک اور خسرہ جیسی خطرناک بیماریوں کا واضح تصور پیش کیا۔ قارئین کو اس کی اہمیت کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ہوگا

"چیچک کی علامات متعددہ ہیں مسلسل بخار، کمر و پشت میں درد، ناک اور پورے جسم میں خارش اور دوران نیند قشعریرہ کا ظہور ہے۔ اس مرض کی مخصوص علامات حسب ذیل ہیں:

کمر و پشت درد مع بخار، پورے جسم میں چبھتا ہوا درد، چہرے پر تہیج، آنکھوں اور رخساروں پر شدید سرخی، جسم پر دباؤ کا احساس، اعضاء میں تھرتھراہٹ، حلق اور سینے میں درد جو کہ تنگی تنفس اور کھانسی کے نتیجے میں ہوتا ہے، حلق میں خشکی، غلیظ لعاب دہن، آواز کا بیٹھ جانا، سر درد اور سر میں تناؤ، پراگندگی، کرب و اضطراب، بے خوابی۔ پراگندگی، بے خوابی اور کرب و اضطراب یہ علامات خسرہ میں زیادہ نمایاں ہوتی ہیں اس کے برعکس چیچک میں کمر و پشت درد کو خاص علامت سمجھا جاتا ہے۔"

رازی نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان آبلوں کا مکمل علاج بھی تحریر کیا ہے جو چیچک کے آخری اسٹیج میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان آبلوں سے قابل نفرت داغ اور دھبے نمایاں ہو جاتے ہیں جو کہ اب بھی مشرق میں عام ہیں۔

طب کے موضوع پر رازی کا ایک اہم اور شاہکار کتاب "الحاوی" ہے۔ یہ در اصل طب کی انسائیکلو پیڈیا ہے جس میں یونانی، سریانی، اور ابتدائی طب کے پراگندہ مسائل شامل ہیں، اس نے اپنی پوری

زندگی میں طب کی کتابوں میں جو کچھ پڑھا ان کے نچوڑ اور اپنے طبی تجربات کو ایک جگہ جمع کر دیا اور آخری ایام میں کتابی شکل دے دی۔

عربی سوانح نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ رازی اپنی زندگی میں اس کام کو پایۂ تکمیل تک نہ پہونچا سکا اس کی وفات کے بعد اس کے شاگردوں نے اسے شکل دی۔ حاوی کی جلدوں میں اختلاف ہے بعض نے اس کی تعداد ۳۰، بعض نے ۲۰ اور کسی نے ۱۰ لکھی ہے۔ مصنف کے نزدیک کل ۲۰ جلدیں ہیں جن میں سے ۱۰ جلدیں آکسفورڈ یا اس سے زائد مختلف ممالک لائبریریوں میں موجود ہیں۔ رازی کی وفات کے نصف صدی بعد صرف دو مکمل نسخوں کا پتہ چل سکا۔ ہاں مصنف کو ۱۰۰۰ء کے بختیشوع خاندان سے وابستہ ایک بہترین معالج امراض چشم کی کتاب میں ایک نوٹ ملا جس میں درج تھا کہ اس نے حاوی میں مذکور امراض چشم سے متعلق باب کے پانچ دیگر نسخوں سے استفادہ کیا۔

اس کتاب کی ایک صفت یہ ہے کہ رازی نے ہر مرض کے بارے میں پہلے یونانی، سریانی، عربی اور فارسی اور ہندوستانی مصنفین کی آراء اور خیالات کو درج کیا ہے اور آخر میں اپنی رائے اور تجربہ کو قلمبند کیا ہے۔ اس طرح سے اس کی طبی مہارت اور علمی بصیرت کی بہت سی تابدار مثالیں مل جائیں گی۔

حاوی کا لاطینی ترجمہ انجو (Anjou) کے چارلس اول کی زیر نگرانی میں سسلی کے یہودی طبیب فرج بن سالم (Faraguth) نے کیا۔ اس نے یہ کام ۱۲۷۹ء میں انجام دیا اور اس کا نام (Continens) رکھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ رازی کو اس کی بدولت لازوال شہرت حاصل ہوئی۔ ۱۴۸۶ء میں اس کی پہلی مرتبہ اشاعت ہوئی اور ۱۵۴۲ء تک پانچ ایڈیشن منظر عام پر آگئے علاوہ ازیں اس کے مختلف حصے کئی بار شائع ہوئے۔ اس کتاب کا یوروپی طب پر بہت گہرا اثر پڑا۔

رازی کے ممتاز معاصرین میں ایک مصنف اسحٰق اسرائیلی (۸۵۵-۹۵۵) تھا جس کو اہل مغرب Isaac Judaeus کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ مصری یہودی تھا اور تونس میں قیروان کے فاطمی ملوک کا مدت دراز تک طبیب خاص رہا۔ اس کی تصانیف کا شمار ان کتابوں میں ہوتا تھا جن کا سب سے پہلے لاطینی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور یہ کام قسطنطین افریقی (Constantinus Africanus) نے ۱۰۸۰ء میں انجام دیا۔ اس کی کتابوں کا قرون وسطیٰ میں مغربی طب پر بہت گہرا اثر پڑا اور ان کا مطالعہ سترہویں صدی

عیسوی تک ہوتا رہا۔ رابرٹ برٹن (Robert Burton) (۱۶۴۰-۱۵۷۷ء) نے اپنی کتاب —— "Anatomy of Melancholy" میں اس کی کتابوں کے بہت سے حوالے نقل کئے ہیں۔ اسحٰق کی کتاب الحمیات، کتاب الاسطقسات، کتاب الادویہ المفردہ والاغذیہ، بالخصوص کتاب البول نے کئی صدیوں تک طب پر اپنا تسلط قائم رکھا۔ طبی اخلاقیات سے متعلق اس کا ایک اہم رسالہ ہے جو صرف عبرانی ترجمہ میں "Manhig" (یا Mitsar) کے عنوان سے محفوظ ہے۔ اس کے مطالعہ سے پیشہ طبابت کے بارے میں بلند اخلاقی تصور کا اندازہ ہوتا ہے۔ کتاب کے کچھ فصول (Aphorisms) قابل توجہ ہیں، مثلاً وہ لکھتا ہے:

اگر کوئی طبیب کسی آفت یا پریشانی سے دوچار ہو جائے تو تردید کے لئے اپنا منہ نہ کھولو کیونکہ ہر شخص کا ایک وقت ہوتا ہے یعنی ہر طبیب ہمیشہ کامیاب نہیں رہتا بلکہ کبھی کبھی رسوائی کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اپنی مہارت پر ناز کرو اور دوسرے کی جہالت پر عزت نہ تلاش کرو۔

غرباء کے علاج اور تیمارداری سے پہلو تہی نہ کرو کیونکہ اس سے اچھا کوئی اور کام نہیں ہے۔

مریض کی شفایابی کی تسلی دو خواہ تمہیں اس کی صحت یابی پر کامل یقین نہ ہو کیونکہ اس طرح سے تم مریض کی طبعی قوتوں کی بحالی میں معاون ثابت ہو سکتے ہو۔

مشرقی مریضوں سے جب سابقہ پیش آئے تو اس وقت کے لئے عمدہ مشورہ یہ ہے کہ اپنی اجرت طلب کرو جبکہ بیماری عروج پر ہو یا اپنے نقطۂ عروج پر ہو کیونکہ مریض شفا پانے کے بعد تمہارے احسان کو یقیناً فراموش کر دے گا۔

اسحٰق اسرائیلی (Isaac Judaeus) کا ممتاز شاگرد ابن الجزار (متوفی ۳۹۵ھ) تھا اس کی سب سے اہم کتاب "زاد المسافر" ہے جس کا سب سے پہلے ترجمہ لاطینی زبان میں Viaticum کے عنوان سے یونانی میں Ephodia اور عبرانی میں Zedat al deracin کے نام سے ہوا۔ یہ کتاب عہد وسطیٰ کے اطباء کے درمیان بہت مقبول ہوئی کیونکہ اندرونی بیماریوں سے متعلق اچھا خاصا مواد درج تھا۔ بعد میں اس کے مترجم قسطنطین نے اصل مصنف کی جانب منسوب کرنے کے بجائے اپنی جانب منسوب کیا۔

جن کیمیاوی کتابوں سے جابر کا نام وابستہ ہے وہ عرصہ دراز سے افکار کے لئے معمہ بنی ہوئی

ہیں۔ اگر یہ جابر ہی ہے جو آٹھویں صدی کی پیداوار ہے تو یہ سمجھنا مشکل ہے کہ اس نے ناقابل رسا یونانی کیمیاوی لٹریچر کا علم کیسے حاصل کیا۔ اس کی بڑی شہادت اب موجود ہے جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا کہ جابر کے نام سے منسوب تمام کتابیں دسویں صدی میں منظر عام پر آئیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب ایک خفیہ سوسائٹی کی کتابیں تھیں جو کہ نام نہاد اخوان الصفا سے مشابہ تھیں۔ جابر کی کتابوں میں صرف یونانی مصنفین کے حوالے ملتے ہیں لیکن طرز تحریر بالکل ان لوگوں سے جداگانہ ہے اور اس سے نمایاں طور پر مذہبیت کی جھلک نظر آتی ہے۔ شامی اور ہندوستانی دواؤں کا نام شاذ و نادر ہی استعمال کیا گیا ہے۔ ان کے برعکس ایرانی اصطلاحات کا بکثرت ذکر ہے۔ بایں طور اس شاہکار کتاب کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ دواؤں اور زہروں کے ایرانی عملی علم اور یونانی سائنٹفک ریسرچ کا مجموعہ ہے تاہم اس امر میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ کتاب عہد جاہلیت اور عہد اسلامی کے درمیان سائنٹفک ترقی کی آخری کڑی ہے۔ جابر عرب الکیمیا کے ابوالآباء کی حیثیت سے عالمی شہرت کا حامل ہے۔ لفظ الکیمیا کے بارے میں عام خیال ہے کہ یہ مصری لفظ Kamit یا Kamit (کالا) سے ماخوذ ہے بعض کے مطابق لفظ Chyma (پگھلی ہوئی دھات) سے ماخوذ ہے۔ اس سائنس کے بنیادی اصول جن کو مصری اور یونانی علماء نے وضع کیا حسب ذیل ہیں:

۱۔ تمام دھات درحقیقت یکساں ہیں اسی وجہ سے ایک کو دوسرے میں تبدیل کر دینا ممکن ہے۔

۲۔ سونا تمام دھاتوں میں سب سے زیادہ خالص ہے اس کے بعد چاندی کا درجہ ہے۔

۳۔ ایک مادہ ایسا ہے جس کے اندر [illegible] کو مسلسل خالص دھات میں تبدیل کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔

یقیناً یہ خیالات تجربہ کی کسوٹی پر پرکھے جانے کے قابل ہیں لیکن افسوس کہ غیر معمولی نظریاتی رجحان غالب آ گیا۔ مزید برآں اسکندریہ کے یونانی تعلیمی مرکز نے اور صحیح معنوں میں پورے عالم اسلام میں عرفانی مسیحی اور نو افلاطونیوں سے حاصل کردہ مخصوص صوفیانہ رجحانات نے تجرباتی اسپرٹ پر بہت گہرا اثر ڈالا۔ جو علم الکیمیا جابر کے ہاتھوں میں تجرباتی ریسرچ کے لئے ایک مسئلہ بنا ہوا تھا اب ناقابل بیان قیاس آرائی اور توہمات عمل کا مضمون بن چکا ہے۔

علم الکیمیا سے متعلق جن کتابوں کو جابر کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے ان میں سے تقریباً ستو

کتابیں اب تک محفوظ ہیں بہت سے رسالے اخلاق ذمیمہ کا ایک مجموعہ ہیں لیکن کچھ کرنا تو آگے پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے ابتدائی دور کے دیگر کیمیائیوں کے مقابلہ میں تجربہ کی اہمیت کو زیادہ واضح طور سے تسلیم کیا ہے اور معین طور سے بیان کیا ہے۔ اس اعتبار سے وہ اب اس لائق تھا کہ تھیوری اور پیمائش دونوں میں ترقی کرے اگر یورپ کیمیا کے اس کی نصاب کا جائزہ لیا جائے تو جابر کے اثرات جابجا نظر آئیں گے۔

مشرقی خلافت میں ممتاز اطباء کی ایک جماعت ابھر کر سامنے آئی جس نے عالمی پیمانے پر شہرت اور عزت حاصل کی ان میں سب سے پہلے میں ایران کے مسلم طبیب علی بن عباس (متوفی ۹۹۴ء) کا ذکر کروں گا جس کو اہل یورپ Haly Abbas کے نام سے جانتے ہیں۔ اس نے ایک جامع اور شاندار انسائیکلوپیڈیا مرتب کی جو الکتاب الملکی کے نام سے معروف ہے۔ اس کا لاطینی ترجمہ مشہور فلسفی سٹیفن نے Liber Regius کے عنوان سے کیا، یہ طب کے علمی اور عملی دونوں پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی ابتداء ایک بہت ہی دلچسپ باب سے ہوتی ہے جس میں قدیم یونانی اور عربی طبی رسالوں پر بھرپور تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ لاطینی زبان کے قالب میں اس کو دوبارہ ڈھالا گیا اور ابن سینا کی شاہکار کتاب القانون فی الطب تک طب کے طالب علموں کا ماخذ رہی۔

دوسری ہمہ گیر شخصیت بوعلی سینا (۹۸۰ء-۱۰۳۷ء) کی ہے جو اہل مغرب کے درمیان ابن سینا (Avicenna) کے نام سے معروف تھا۔ اس کا پورا نام ابوعلی حسین بن عبداللہ بن سینا ہے لیکن عام طور سے شیخ الرئیس کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کا شمار دنیائے اسلام کے عظیم مفکرین میں ہوتا ہے وہ طب کی بہ نسبت فلسفہ اور طبیعیات میں زیادہ مقبول ہوا تاہم یورپی طب پر اس کی فنی مہارت کا بہت گہرا اثر پڑا۔ طب یونانی پر اس کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے "القانون فی الطب" جیسی بلند پایہ کتاب لکھی جس میں طب یونانی کی میراث کے ساتھ ساتھ اہل عرب کی خدمات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ یہ پانچ کتابوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ الکتاب الاول فی الامور الکلیۃ من علم الطب (اصول طب)

۲۔ الکتاب الثانی فی الادویۃ المفردہ (مفرد ادویات)

۳۔ الکتاب الثالث فی الامراض الجزئیہ باعضاء الانسان من الراس الی القدم

۴۔ الکتاب الرابع فی الامراض التی لا تختص بعضو بعینہ والزینۃ (عام بیماریاں)

۵۔ الکتاب الخامس فی الاقرابادین

ابن سینا نے القانون فی الطب میں تقسیم ابواب کا جو طریقہ اپنایا ہے وہ نہایت ہی پیچیدہ ہے، چنانچہ اس نے لوگوں کے اندر ذہنی تقسیم کے لئے ایک تحریک پیدا کی اور وہ مغربی تحقیق تتبع پر اثر انداز ہوئی۔ لاطینی ترجمہ بارہویں صدی میں جیرارڈ آف کریمونا (Gerard of Cremona) نے کیا اور اس نسخہ کے بے شمار مخطوطات موجود ہیں۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پندرہویں صدی میں سولہ یا (پندرہ) ایڈیشن لیٹن میں اور ایک ایڈیشن عبرانی میں اور سولہویں صدی میں ۲۰ بار شائع ہوئی۔ اس اعداد و شمار میں کتاب کے وہ حصے شامل نہیں ہیں جو الگ سے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔ لاطینی، عبرانی، اور ملکی زبانوں میں اس پر حواشی بھی لکھے گئے جو کہ مطبوعہ اور مخطوطہ دونوں شکلوں میں ان گنت تعداد میں موجود ہیں۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں "قانون" کی دوبارہ اشاعت شروع ہوئی اور یورپ کے اطباء اس کے درس و تدریس میں مشغول رہے یہاں تک کہ فن طب میں کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس کا مطالعہ اتنی کثرت سے کیا گیا ہو۔ اس کی جامعیت کی بنا پر یہ کتاب یورپ کے مختلف مدارس میں داخل نصاب رہی۔

مذکورہ کتاب کو چھوڑ کر فن طب پر ابن سینا کی ۱۵ اور تصانیف کا ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح عقائد، مابعد الطبیعیات، نجوم اور فلسفہ سے متعلق تقریباً سو سے زائد کتابیں احاطۂ علم میں آچکی ہیں۔ تاہم اس کے چند اشعار کو چھوڑ کر بقیہ کتابیں عربی زبان میں ہیں کیونکہ یہ دسویں صدی کی ایک مروجہ زبان تھی۔ شیخ الرئیس کی بے پناہ محنتوں، صلاحیتوں اور مسلسل کاوشوں کے نتیجہ میں طب اسلامی مشرق اپنے بام عروج پر پہنچی، اور آج بھی مغربی ایشیا میں ہمدان میں اس عظیم فلسفی اور طبیب کے مقبرہ پر ایک اژدہام رہتا ہے۔

مشرقی عالم اسلام جب طب کی ترویج و اشاعت میں آہستہ آہستہ تفوق اور برتری حاصل کر رہا تھا اس وقت مغربی عالم اسلام بھی اس سائنس کی ترقی کا ایک مرکز بن چکا تھا اسپین میں قرطبہ کے خلیفہ الحکم ثانی اور عبدالرحمٰن ثالث کے زریں دور حکومت میں Hasday ben Shaprut (متوفی ۹۹۰ء) نامی ایک یہودی تھا جو بیک وقت وزیر، درباری، طبیب اور فن طب کا سرپرست بھی تھا اپنا نام انکے ایام میں اس نے اپنے شاگرد نیقولاس (Nicholas) کی مدد سے دیسقوریدس

(Dioscurides) کے شاہکار مخطوطہ "علم الادویہ" کا عربی میں ترجمہ کیا جس کو بازنطینی خلیفہ قسطنطین ہفتم کی جانب سے بطور تحفہ بھیجا گیا تھا۔ بعد میں درباری طبیب اور مورخ ابن جلجل نے اس کی اصلاح کی اور ایک شرح لکھی۔

مسلم اطباء کی فہرست میں ابوالقاسم (متوفی ۱۰۱۳ء تقریباً) کا نام بھی آتا ہے جو کہ قرون وسطیٰ میں یورپ میں Abulcasis کے نام سے مشہور رہا۔ ابن جلجل کی طرح یہ بھی قرطبہ میں درباری طبیب کی حیثیت سے فرائض انجام دیتا تھا۔ اس کی متعدد تصانیف ہیں لیکن جس کتاب نے اس کا نام اقطاع عالم میں روشن کیا وہ "التصریف" ہے یہ تیس (۳۰) حصوں پر مشتمل ہے آخری حصہ سرجری سے متعلق ہے جس کو اسلامی مصنفین نے نظر انداز کر دیا تھا۔ علم الجراحت (سرجری) پر ابوالقاسم نے جتنے بھی رسالے لکھے ہیں ان کی بنیاد پولس اجانیطی (Paul of Aegina) کی چھٹی کتاب پر ہے۔ اکثر مقامات پر اضافے بھی کئے گئے ہیں ایک خاص بات یہ کہ اس میں سرجری میں استعمال ہونے والے مختلف آلات اور اوزار کی تصویریں بھی شامل ہیں۔ جن کو دیکھ کر عربی مصنفین بہت متاثر ہوئے اور اس کی وجہ سے یورپ میں سرجری کی بنیاد ڈالنے میں کافی مدد ملی۔ اس کو پہلے لاطینی، عبرانی اور پراونسل Provencal زبانوں میں منتقل کیا گیا۔ لاطینی نسخہ کو مشہور فرانسیسی سرجن گوئے ڈے شولیک Guy de Chauliac (۱۳۰۰-۱۳۶۸) نے اپنی ایک کتاب کے ساتھ ضم کر دیا۔

گیارہویں صدی عیسوی میں مصر، شام اور عراق عرب (Mesopotamia) میں لوگوں کی علمی سرگرمیاں اور دلچسپیاں کافی بڑھ گئیں۔ قاہرہ کے علی بن رضوان (متوفی ۱۰۶۸ء تقریباً) جو لاطینی میں (Haly Rodoam) کے نام سے معروف ہے نے مصر کا ایک عمدہ طبی جغرافیہ تیار کیا۔ وہ جالینوس اور یونانی مصنفین کا سرگرم پیرو تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اگر کوئی شخص قدماء کی کتابوں کا مطالعہ پابندی سے کرے تو وہ ایک بہترین طبیب ہو سکتا ہے علی بن رضوان کے اس خیال سے بغداد کے ابن بطلان (متوفی ۱۰۶۳ء تقریباً) نے اتفاق نہیں کیا نتیجہ بحث ومباحثہ کا ایک طویل دور چھڑ گیا۔ وہ مزاجاً بغداد کا نہایت بلند پایہ مسیحی طبیب تھا۔ جالینوس کی کتاب الصناعۃ (Ars Parva) پر ابن رضوان کی شرح کا اور ابن بطلان کی شاہکار کتاب "تقویم الصحۃ" کا لاطینی زبان میں ترجمہ

ہوا۔

اب ہم طب اسلامی کے عہد زریں کی ان اختراعات اور تصنیفات کا اجمالی تعارف پیش کریں گے جن کو عالمی پیمانے پر شہرت ہوئی۔

اولاً ادویہ مفردہ سے متعلق دو رسالے قابل ذکر ہیں جو انسائیکلوپیڈیا میں اہم جزو کی حیثیت سے شامل ہیں تاہم بعض مصنفین نے ان کو الگ الگ مونوگراف (Monographs) کی شکل میں ترتیب دی ہے۔ یہ رسالے اب بھی شرق میں بہت زیادہ قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ہرات کے ابو منصور موفق نے تقریباً ۹۷۵ء میں فارسی زبان میں "کتاب الابنیہ عن حقائق الادویہ" لکھی جس میں ۵۸۵ ادویات کے افعال وخواص مذکور ہیں۔ ان میں یونانی اور سریانی کے علاوہ عربی فارسی اور ہندوستانی علم بھی شامل ہے۔ مزید برآں یہ جدید فارسی نثر کی اولین یادگار ہے۔ عربی زبان میں اس قسم کے متعدد رسالے لکھے گئے جنہیں بغداد اور قاہرہ کے ماسویہ المارد ینی (متوفی ۱۰۱۵ء) اور اسپین کے ابن الوافد (متوفی ۱۰۷۴ء) کے رسائل قابل ذکر ہیں۔ ان دونوں کے لاطینی ترجمے نے کافی شہرت حاصل کی اور ۵۰ سے زائد اشاعت ہوئی۔ لاطینی زبان میں ماسویہ دوم جس کو زبان لاطینی (Mesue Junior) کہا جاتا ہے کا رسالہ De Medicinis Universalibus et Particularibus کے نام سے اور ابن وافد جس کو (Abenguefit) بھی کہا جاتا ہے کا رسالہ "De Medicamentis Simplicibus" کے نام سے شائع ہوا۔

طب کا ایک اہم شعبہ "علم امراض چشم" (Ophthalmology) ہے جو کہ ۱۰۰۰ء میں اپنے بام عروج کو پہنچا۔ اس موضوع پر دو رسالے بہت زیادہ مقبول عام ہوئے ایک بغداد کے عیسائی کحال (Oculist) علی بن عیسیٰ کا جس کو اہل یورپ Jesu Haly کے نام سے یاد کرتے ہیں اور دوسرا موصل کے مسلم طبیب عمار کا رسالہ، یہ شخص Canamusali کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ مصنفین نے اپنے ذاتی مشاہدات، تجربات اور بے شمار اضافات کو شامل کر کے اس میں علم امراض چشم سے متعلق یونانی قانون کو بڑھا دیا۔ اس رسالوں کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا جن کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی اور آٹھویں صدی کے نصف اول تک "امراض چشم" پر بہترین درسی کتابوں میں شمار ہوتا رہا۔

اطباء اور ان کی تصانیف کے بعد اب ان سائنٹفک اداروں کا ذکر کروں گا جن کا قیام اسلامی

علوم کے دور زریں میں جہاں تک شفاخانوں کا تعلق ہے ان کی بنیاد جندیشاپور کے قدیم اور معروف اکیڈمی اسپتال کے نقشہ کے مطابق ڈالی گئی۔ پورے عالم اسلام میں اسپتال کے لئے جو اصطلاح استعمال کی جاتی ہے وہ دراصل فارسی لفظ بیمارستان سے ماخوذ ہے۔ اب تک مجھے جن اداروں کے بارے میں مستند اطلاعات موصول ہوئی ہیں ان کی تعداد ۳۴ تک پہنچی ہے وہ ایران سے مراکو (Morocco) تک اور شمالی شام سے مصر تک پورے عالم اسلام میں پھیلے ہوئے تھے۔ قاہرہ میں سب سے پہلے اسپتال کا سنگ بنیاد گورنر ابن طولون نے ۸۷۲ء میں رکھا جس کا وجود پندرہویں صدی تک قائم تھا اس کے بعد وہاں متعدد بیمارستان قائم کئے گئے۔

بغداد میں پہلا شفاخانہ نویں صدی کے شروع میں ہارون رشید کے حکم سے تیار کیا گیا اور دیگر ۵ شفاخانوں کا قیام دسویں صدی میں عمل میں آیا۔ گیارہویں صدی میں مسافروں کے لئے شفاخانوں کا انتظام کیا گیا۔ اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے ان اداروں کے انتظام و انصرام، سالانہ بجٹ، یہاں تک کہ اطباء اور ملازمین کی تنخواہوں کا صحیح پتہ چلتا ہے۔ افسر الاطباء اور سرجری کے ماہرین طلبہ کے سامنے لکچر دیتے اور امتحان کے بعد ان کو ڈپلوما (اجازۃ) ایوارڈ کرتے تھے۔ روایتوں میں افراد اور جراحوں کا نظری امتحان ہوتا تھا۔ ان کے طور پر علم العظام کے جاننے والوں Ortho paedics سے بوسس، آنکھ کی سرجری اور تشریح کے بارے میں سوالات کئے جاتے۔ طب میں عملی تعلیم کے اچھے انتظامات کئے جاتے تھے۔ شفاخانے کو مردوں اور عورتوں کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ کچھ اسپتالوں میں لائبریری بھی موجود تھی۔ اطباء کی ٹریننگ کسی سینیئر ڈاکٹر Supervisor کی نگرانی میں ہوتی تھی۔ یہی نہیں بلکہ حصول طب کی خاطر لوگ دوسرے ممالک کا سفر بھی کرتے تھے۔ اسپین کی ایک رپورٹ کے مطابق Spain کے ایک طبیب نے گودام کے پارکوں میں نباتاتی باغیچہ تیار کیا اور اس میں نادر دوائی پودے لگایا جو اس نے اپنے طویل سفر کے دوران حاصل کئے تھے۔

(جاری)

لہ لاطینی زبان کا ترجمہ Contentinus Apicenus نے کیا اور یونانی میں Synanos نے کیا۔ "مترجم"

حلقۂ یاراں

برادر طارق فارقلیط صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ بخیر و عافیت ہوں۔ حیات نو کا تازہ شمارہ ملا، پڑھ کر خوشی ہوئی۔ تمام مضامین اچھے ہیں۔ آپ کے اداریہ نے جن باتوں کی نشاندہی کی ہے، وہ اگرچہ تلخ ہیں مگر حقائق ہیں۔ عربی مدارس جو دین کے قلعے تھے اور جہاں سے دین کے پاسبان اور محافظان ملت سرگرم میدان میں آتے تھے وہ اب صرف روایتی درسگاہیں بن گئی ہیں، اور کچھ لوگوں کی معاش کا ذریعہ بن گئی ہیں۔ ان کے اندر انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔

مکالمۃ الصدرین تاریخ کے کچھ مخفی گوشوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جماعتیں کس طرح بنتی ہیں اور پارٹیاں کیسے قائم ہوتی ہیں۔ ہمارے اکابرین کا کیا رول رہا ہے، جو نکال دینے والے حق لگتے ہیں۔ عزیز گھروی کے یہ اشعار

سے ملک کے دینے کا ہم فیصلہ تو کریں، کس میں ہمت ہے جو ہم میں جدائی کرے

سے عزم اک معتبر کردار بھی ہے؛ عقیدہ ہی نہیں محکم ہمارا

بہت اچھے ہیں۔ شفیق ظاہری کا یہ شعر

سے اپنے گھر والوں سے جانے کیوں الجھ بیٹھے؛ دوسروں کے ساتھ میں باتیں بڑی پیار کی کرو

حقیقت کا آئینہ دار ہے۔

والسلام
عبدالرحمان خالد جامعۃ الفلاح

مکرمی طارق صاحب!

السلام علیکم

نومبر کا شمارہ نظر نواز ہوا، اکثر مضامین پسند آئے، خصوصاً "خلیفہ کا مفہوم"۔ حیات نو کافی اچھا ہو گیا ہے۔ اور معیار بھی کافی بلند۔ لیکن غزلوں کا کالم کچھ کم کر دیں تو اچھا ہے۔ ان چار صفحات میں ایک اچھا مضمون آ سکتا ہے، امید کہ بخیر ہوں گے۔

والسلام
طارق احسن فلاحی علی گڑھ

مکرمی و محترمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط کافی پہلے ملا تھا، چونکہ طبیعت ادھر ناساز تھی اس وجہ سے فوری جواب نہ دے سکا۔ میں نے اپنے مضمون کی پہلی قسط آپ کو بھیجی تھی اس وعدہ پر کہ مضمون چھپنے پر میں باقی اقساط بھی بھیجوں گا۔ میرا ادارہ طبیہ اسلامیہ میں ڈائرکٹر کی حیثیت سے مستقل تقرر ہو گیا ہے اگرچہ اس سے پہلے میں

سنہ ۱۹۷۱ء سے کام کر رہا ہوں لیکن یہ تقرر مستقل نہ تھا۔

حیات نو کے شمارے مستقل زیر مطالعہ ہیں، خوشی ہے کہ حضرت آپ کافی معیاری پرچہ نکال رہے ہیں بلکہ اس کا معیار روز بروز خوب سے خوب تر ہوتا جا رہا ہے تمام اساتذہ کرام کی خدمت میں سلام مسنون
امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ والسلام خالد حامدی

برادر محترم السلام علیکم و رحمۃ اللہ مزاج شریف

تازہ حیات نو ملا۔ اشاعت غزل کے لئے ممنون ہوں باقی مضامین بھی عمدہ ہیں۔ پرچہ کی بقا کیلئے دل سے دعا نکلتی ہے۔

حصہ نظم پر دھیان دینے کی اشد ضرورت ہے، یہ میری ناقص رائے ہے۔ حصہ نثر تو ماشاء اللہ بہت خوب ہوتا ہے۔ جملہ پرسان حال کی خدمت میں ہدیہ آداب

والسلام ، ادریس ضیا ، اعلیٰ پور ، بدایوں۔

برادرم طارق فاروقیہ صاحب ! السلام علیکم

امید ہے کہ بخیر ہوں گے۔ کچھ عرصہ قبل آپ کا خط موصول ہوا تھا جس سے معلوم ہوا کہ آپ نے میری غزل پسند کر لی ہے شکریہ !

ماہ نومبر کا حیات نو موصول ہوا، مضامین اچھے ہیں خصوصاً مکالمۃ الصدرین کافی کام کی چیز ہے، اور ایک تاریخی دستاویز کے طور پر انمول اور قابل قدر مواد ہے۔ آپ کا اداریہ وقت کا اہم سوال ہے اور آپ کی گرفت بھی برحقیقت ہے، مجموعی اعتبار سے رسالہ اچھے مضامین پر مشتمل ہے لیکن تابش مہدی کا مضمون ایک شعر کی اصلاح کا مقصد کیا ہے اور اسے کس خانے میں رکھا جائے مجھ میں نہیں آتا، میرے خیال میں تابش صاحب اچھے ادبی اور تنقیدی مضامین لکھ سکتے ہیں۔

احباب کو سلام عرض کریں۔ ارشاد محمد مخدومی

(بقیہ جامعہ کے لیل و نہار)

رفیق قاسمی صاحب، اور ناظم علاقہ جناب ظہیر عالم فلاحی صاحب نیز ناظم ضلع جناب اکبر حسن صاحب جامعہ تشریف لائے اور تین روز تک یہاں مقیم رہے۔ آپ لوگ جماعت اسلامی کے ایک سہ روزہ پروگرام میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے۔ ۲۹ نومبر کو ۱۲ بجے یہاں سے رخصت ہوئے۔

ادارہ

جامعہ کے لیل و نہار

خدا کے فضل و کرم سے جامعہ میں ششماہی امتحانات بحسن و خوبی اپنے اختتام کو پہنچ گئے، اور طلبہ چھٹیاں گذارنے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ہیں۔ یہ چھٹی ۱۵ دنوں کی ہے۔ ۹ ربیع الاول تا ۲۳ ربیع الاول بمطابق ۱۵ نومبر تا ۲۹ نومبر ۸۶ء۔ ۳۰ نومبر کو مدرسہ کھل جائے گا اور ان شاء اللہ دوبارہ تعلیم کا آغاز ہو جائے گا۔

صدر انجمن جناب نسیم غازی صاحب ۱۰ نومبر کو جامعہ تشریف لائے۔ ۱۱ نومبر کو بعد نماز ظہر مقامی فلاحیوں کی ایک میٹنگ رکھی گئی جس میں حیات نو کے مختلف مسائل پر غور کیا گیا، اور مختلف افراد نے حیات نو کے لئے اپنی خدمات پیش کیں، اور تعاون کرنے کا وعدہ کیا۔ مولانا رحمت الاثری فلاحی مدنی بھی اس میٹنگ میں شریک تھے۔

مولانا رحمت الاثری فلاحی مدنی اب مستقل طور سے جامعہ دار الحدیث میں منتقل ہو گئے ہیں اور درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ ایک مبعوث کی حیثیت سے تشریف لائے ہیں۔ پتہ یہ ہے
(دار الحدیث، پوسٹ بکس نمبر ۳۔ مئو ناتھ بھنجن، اعظم گڈھ، یو۔پی)

مدیر حیات نو ۲۸، ۲۹ اکتوبر ۸۶ء ہم خیال اخبار و رسائل و جرائد کانفرنس میں شرکت کے لئے دلی جاتے ہوئے علی گڑھ فلاحی برادران سے ملاقات کے لئے رکے، انجمن کی علی گڑھ شاخ کے اکثر فلاحیوں سے ملاقات رہی۔ بعد نماز عشاء ساڑھے آٹھ بجے ایک پروگرام رکھا گیا جس میں ۲۵، ۳۰ فلاحی شریک تھے۔ تعارف کے بعد جامعہ کی خیریت، حالات و واقعات نیز حیات نو کے مسائل مشکلات اور منصوبوں پر گفتگو رہی، گفت و شنید اور سوال و جواب سے اندازہ ہوا کہ ان کو مادر علمی سے بے پناہ لگاؤ محبت اور پیار ہے اور وہ مادر علمی کو ترقی کے منازل پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ یونٹ کے موجودہ سکریٹری برادر شوکت فلاحی نے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا اور یہ ان کے تعلقات اور سرگرمیوں کا کمال تھا کہ اتنے کم وقت میں ایک پروگرام کو ممکن بنا دیا۔ توقع ہے کہ موصوف فلاحی برادران کو نہ صرف سرگرم رکھیں گے بلکہ حیات

کے ساتھ ہر طرح کا تعاون بھی کریں گے ۔ برادر اطہر کمال، طارق احسن، انعام اللہ فلاحی اور صفدر سلطان اصلاحی نے اس پروگرام کے انعقاد میں کافی مدد کی۔

حمید اللہ فہد فلاحی سے گفتگو رہی۔ آپ حیات نو کے سابق ایڈیٹر بھی رہے اور اب بھی اس کے لیے بڑی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ کہنے لگے، میری کوشش ہے کہ بزم حیات نو کے نام سے ایک حلقہ اس کے قارئین کا بن جائے اور ان کی ایک میٹنگ ہر مہینہ ہو جائے، اس میں چند مقالے بھی سنائے جائیں اور وہ پھر حیات نو کے لیے بھیج دیے جائیں اس طرح اس کا تعارف بھی ہوگا اور قارئین کا ایک حلقہ بھی تیار ہو جائے گا۔

۲۸ر ۲۹ر اکتوبر ۲۰۰۸ء کو جماعت اسلامی کی طرف سے مرکز جماعت میں ہم خیال اخبار و رسائل کے ایڈیٹرس کی ایک میٹنگ بلائی گئی تھی جس میں پورے ہندوستان سے کم و بیش ۵۵ اخبار و جرائد کے مدیران شریک ہوئے تھے، حیات نو بھی اس میں مدعو تھا، اس میٹنگ میں اخبار و رسائل اور جرائد کے تفصیلی تعارف کے ساتھ اس کے مسائل اور مشکلات پر بھی غور کیا گیا، نیز مستقبل میں پریس اور میڈیا پر اثر انداز ہونے کی تدبیریں سوچی گئیں، میٹنگ میں یہ بات بھی آئی کہ معنوی حیثیت سے پرچوں کے معیار کو اونچا اٹھایا جائے، اس کے مضامین ہر لحاظ سے بہتر اور گٹ اپ جاذب نظر اور پرکشش ہوں تاکہ دوسرے پرچوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اس لحاظ سے کیرلا اور تمل ناڈو کے اخبارات و رسائل بہت آگے ہیں۔

ہندوستان کے مشہور شاعر اور ادارہ ادب اسلامی کے روح رواں جناب حفیظ میرٹھی صاحب ۱۳ر نومبر کو جامعہ تشریف لائے، موصوف حیات نو کے دفتر بھی تشریف لائے اور حیات نو کی خدمات کو سراہا۔ جلدی ہونے کی وجہ سے خواہش کے باوجود کوئی شعری نشست نہ ہو سکی البتہ بلریا گنج حکیم ایوب صاحب کے مکان پر بعد نماز عشاء ایک نشست رکھی گئی، حفیظ صاحب نے اپنے مخصوص لب و لہجہ میں اپنی غزلوں کا انتخاب پیش کیا اور سامعین کے دل و دماغ پر چھا گئے۔ حکیم ایوب صاحب نے تاثر آمیز لہجہ میں کہا اگر آپ پر اسلام پسندی کا لیبل نہ لگا ہوتا تو آجتک آپ اسکو کے کئی پلو کر پیچھے ہوتے اردو دنیا کے کتنے ہی بہترین ایوارڈ آپکے قدموں میں ہوتے۔

سکریٹری انجمن جناب نور محمد فلاحی صاحب مدرسہ کی طرف سے ایک وفد کے ساتھ ممبئی تشریف لے گئے ہیں، وفد میں مولانا طاہر مدنی، جناب قاری قربان صاحب اور ماسٹر فرید صاحب بھی شامل ہیں۔ ممکن ہے یہ وفد ۵ر دسمبر تک جامعہ واپس آئے۔

۲۷ر نومبر کو قائم مقام امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سراج الحسن صاحب امیر حلقہ اتر پردیش، جناب مولانا،

(بقیہ صفحہ ۲۰ پر)